ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

جنوری ۲۰۱۳ء

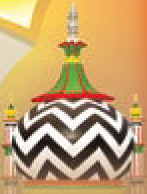

مبارک حسین مصباحی

مشمولات

اداریہ	حسان الہند حضرت نظمی میاں قادری/ مولانا نصر اللہ رضوی	مبارک حسین مصباحی	۳
فقہیات			
کیا فرماتے ہیں	آپ کے مسائل	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۴
نظریات			
فکر امروز	اسلامی شناخت- کچھ باتیں	مولانا عابد چشتی	۱۶
خیالات			
وقت کی اہمیت	متاعِ وقت اور کاروانِ حیات	مولانا محمد فروغ القادری	۱۹
اسلامیات			
شعاعیں	بیماری نعمت اور بیمار پرسی سعادت	محمد آصف اقبال	۲۴
شخصیات			
انوارِ حیات	علامہ عبد العلیم صدیقی	مولانا محمد رضا قادری	۲۸
نقشِ حیات	مولانا نصر اللہ رضوی- حیات وخدمات	مولانا عبد الغفار اعظمی	۳۳
رضویات			
درس گاہِ رضا	مسلکِ اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق	مولانا اختر حسین فیضی	۳۶
سیاسیات			
آئینۂ وطن	بابری مسجد/ مودی کسی بھی صورت قبول نہیں	صابر رضا رہبر/ محمد ناصر مصباحی	۳۸
بزم دانش			
خم خانۂ تصوف	جدید دنیا کے مسائل اور تصوف	محمد عارف حسین مصباحی/ آفرین مبینہ	۴۲
ادبیات			
گوشۂ ادب	مجلہ رضویہ، پچیس سالہ خدمات اور تدوین	ڈاکٹر منظور احمد دکنی	۴۶
نقد ونظر	شعورِ نظر	مبصر: طفیل احمد مصباحی	۵۰
خیابانِ حرم	منظومات	نور فتح پوری/ شاہی بھاگل پوری/ مہتاب پیامی	۵۲
وفیات			
سفرِ آخرت	سید آلِ رسول نظمی میاں مارہروی	سید سبطین حیدر قادری برکاتی	۵۳
مکتوبات			
صدائے بازگشت	محمد ساجد رضا مصباحی/ محمد عارف حسین مصباحی		۵۴
سرگرمیاں			
خیر و خبر	۷۸۹واں عرس فاتح بلگرام/ کوشامبی میں گنبدِ خضرا کانفرنس/ مفتی اعظم راجستھان کا عرس چہلم		۵۵

اداریہ

خانقاہ برکاتیہ کے علمی اور روحانی چشم و چراغ

حسان الہند حضرت نظمی میاں قادری علیہ الرحمہ

مبارک حسین مصباحی

مرشدِ طریقت حسان الہند سیدِ ملت حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمیؔ برکاتی علیہ الرحمہ کا یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ/ ۶/ نومبر ۲۰۱۳ء کو وصال پر ملال ہوگیا، اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کے طفیل مرقدِ نظمی کو جنت الفردوسی بنادے۔ ان سطروں کے لکھنے والے نے حضرت کی بار بار زیارت کی، گفتگو کا شرف حاصل کیا، حضرت بجاے خود خاندانی وجاہت اور ذاتی اوصاف و کمالات کے جامع تھے، آپ ایک بلند پایہ صحافی اور عظیم نثر نگار تھے، آپ نے اردو، ہندی، سنسکرت اور انگریزی میں بھی بلند پایہ شاعری کی ہے۔ حضرت بلا شبہہ ایک آفاقی قلم کار، اپنے عہد میں اپنے لب و لہجہ کے منفرد شاعر تھے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ آپ نے جتنی طویل بحروں میں نعتیں کہی ہیں، اس کی مثال پوری اردو دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مگر ان سارے اوصاف و محاسن سے بلند ایک چیز ہے جس نے جہانِ اہلِ سنت کو ان کا شیدائی اور فدائی بنا رکھا ہے، وہ ان کی روحانی عظمت ہے۔ اس روحانی عظمت میں ان کا خاندانی وقار صاف نظر آتا تھا، ان کی عبادت و ریاضت، ان کا زہد و تقویٰ اور ان کی سادگی و پاکیزگی اپنی مثال آپ تھی۔ وہ وعدے کے سچے اور وقت کے پابند تھے، جو کہتے وہی کرتے اور جو کرتے وہی کہتے تھے۔ ان کی علمی، روحانی، ادبی اور شعری تصانیف بھی تین درجن سے زیادہ ہیں جب کہ مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات کی تعداد بھی کافی ہے۔ حضرت اپنے علم و اخلاق، خدمتِ خلق اور تطہیرِ قلوب میں دور دور تک بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و روحانیت کا یہ چشمۂ شیریں اسی طرح جاری رکھے۔

حضرت سید ملت علیہ الرحمہ کے برادرِ خورد رفیقِ ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر قادری برکاتی اپنی خانقاہ کے سال نامہ اہلِ سنت کی آواز میں لکھتے ہیں:

”ابھی اداریہ رقم ہی ہو رہا ہے کہ یہ روح فرسا خبر ملی کہ بھائی صاحب قبلہ سید شاہ آلِ رسول حسنین میاں نظمی ہم سے رخصت ہوگئے۔ بذریعہ فون ممبئی سے یہ اطلاع ملتے ہی خانقاہ برکاتیہ میں تعزیت کرنے والوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ ہر شخص خانوادۂ برکات کے اس سانحۂ عظیم پر رنجیدہ و افسردہ چلا آرہا تھا، بھائی صاحب نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ممبئی میں گزارا۔ انفارمیشن براڈکاسٹنگ محکمے میں مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ملازمت کے آخری سالوں میں شیلانگ پریس انفارمیشن بیورو میں بحیثیت ڈائریکٹر رہتے ہوئے سبک دوش ہوئے۔ حضرت سید ملت خانوادۂ برکاتیہ کی علمی، دینی اور روحانی اقدار و روایات کے امین و پاس دار تھے۔ دینی تعلیم اپنے بزرگوں سے عمر کے ابتدائی سالوں میں حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے اپنی عصری تعلیم مکمل کی۔ پھر مسلسل بڑے ابا حضور سید العلما قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر تمام علومِ ظاہری اور باطنی کی تکمیل فرمائی، اپنے والد ماجد کی صحبت نے ان کو دینی، دنیاوی علوم اور معاملات میں ہر طرح سے پختہ کر دیا تھا۔ کئی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے بالخصوص انگریزی اور اردو زبان پر بڑی دست رس تھی۔ وہ بیک وقت ایک بہترین نثار اور ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ نعتیہ شاعری ان کا مخصوص میدان تھا۔ انھوں نے بہت نعتیں کہیں اور بہت اچھی نعتیں کہیں۔“

شہزادۂ احسن العلما حضرت رفیق ملت مارہروی مزید اپنے اداریے میں لکھتے ہیں:

”بھائی صاحب کا آخری سفر ممبئی سے شروع ہوا، منارہ مسجد میں ہزاروں وابستگان نے برکاتیت کے نقیب کا آخری دیدار کر کے ممبئی سے ہمیشہ کے لیے رخصت کیا۔ وہاں سے بذریعہ طیارہ ان کا جسدِ مبارک ان کے اہلِ خانہ کے ہم راہ دہلی لایا گیا اور پھر بذریعہ ایمبولینس مارہرہ شریف جنازے کو لائے۔ سب سے پہلے زنان خانے میں زیارت کے واسطے بڑے ابا کے گھر رکھا گیا پھر تقریبًا ۱۲/ بجے خانقاہ شریف میں جنازے کو لایا گیا جہاں ہزاروں چاہنے والوں کے ہجوم نے اپنے مخدوم زادے کا دیدار کیا اور آخری سلام پیش کیا۔..... اہلِ

خاندان اور متوسلین ومعتقدین کی موجودگی میں بھائی صاحب قبلہ کوان کے والدماجداورعم محترم قدس سرہم کے پائتانے سپرِدخاک کیاگیا۔
بعد نماز عشاجامعہ آل رسول مارہرہ شریف میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس میں کثیر تعداد میں سوگوار احباب ومتوسلین نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں راقم الحروف، حضرت سید ملت کے فرزند اکبرو ولی عہد مولاناسید سبطین حیدر قادری برکاتی سلمہٗ، برادرِ معظم حضرت شرفِ ملت اور صاحب سجادہ حضرت امینِ ملت دام ظلہ نے اپنے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار فرمایااور حضرت بھائی صاحب علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت سیدِ ملت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطافرمائے اور ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کے جملہ متعلقین، اہل وعیال اور واستگان کو صبرِ جمیل کامل عطافرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔"

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ ج:۲۰، نومبر ۲۰۱۳ء)

جلالۃ العلم حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ نے جب دار العلوم اشرفیہ کو جامعہ اشرفیہ میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا، یہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء کی تاریخ تھی، اس یادگار "تعمیری کانفرنس" میں ملک بھر سے سیکڑوں علما اور مشائخ نے شرکت فرمائی تھی، خاص طور پر تاج دارِ اہلِ سنت مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفی رضا بریلوی اور سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفی قادری برکاتی علیہم الرحمہ نمایاں تھے، حسب پروگرام تمام تقریبات بحسن وخوبی انجام پذیر ہوئیں، اور پھر اس کے ڈیڑھ سال بعد ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی اس کی صدارت حضرت سید العلما مارہروی قدس سرہ العزیز نے فرمائی۔ حضرت نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ جملے بھی ارشاد فرمائے تھے۔

"حافظ ملت صاحب! آپ اپنوں اور بیگانوں کی مخالفت سے گھبرائیں نہیں، یہ سید آل مصطفی آپ کے ساتھ ہے۔ اگر ضرورت پڑے گی تو میں آپ کو سونے سے تول دوں گا اور میں اپنی خانقاہ کے جملہ مریدین ومتوسلین کو آپ کے قدموں میں جھکادوں گا۔"

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ صدیوں سے اکابر اہلِ سنت کا مرکزِ عقیدت رہا ہے اور ان شاءاللہ ہمیشہ رہے گا۔ مولیٰ تعالیٰ خانقاہِ برکاتیہ سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی غلامی کا یہ بندھن بھی اسی طرح مستحکم رکھے۔

سید ملت حضرت نظمی میاں کی ولادت ۶/رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/۴/اگست ۱۹۴۶ء کو مشن اسپتال کاس گنج میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مارہرہ شریف میں درجۂ پنجم تک بمبئی میں ہوئی۔ انٹرمیڈیٹ مارہرہ شریف سے کیا اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ ملیہ دہلی پہنچے، جہاں بی اے اور اسلامیات اور انگریزی زبان وادب میں ایم اے (پارٹ ون) کے پہلے سال کی تکمیل کی۔ اس دوران یونین پبلک سروسز کمیشن (U.P.S.C.) کے مقابلہ جاتی امتحان (کمپٹیشن) میں حصہ لیا اور بہترین کامیابی حاصل کی۔ جس کے بعد سینٹرل انفارمیشن سروس (C.I.S.) میں منتخب ہوئے اور پہلی پوسٹنگ دہلی میں پریس انفارمیشن بیورو (P.I.B.) میں اسسٹنٹ جرنلسٹ کے عہدہ پر ہوئی۔ پھر اسی عہدہ پر ۱۹۶۹ء میں بمبئی منتقل ہوئے۔ اس کے بعد (F.D.) میں ٹرانسفر ہوا۔ پھر آل انڈیا ریڈیو (A.I.R.) کے سینیر کراسپانڈنیٹ کے عہدے پر ترقی ہوئی، لیکن پھر بمبئی کے احباب کے اصرار اور ان کی بے لوث محبتوں کے احترام میں بمبئی ہی میں (P.I.B) کے (I.O.Coardination) کی پوسٹ پر آپ نے ٹرنسفر کرالیا۔

ملازمت کے آخری سالوں میں شیلانگ میں پریس انفارمیشن بیورو میں بحیثیت ڈائریکٹر رہتے ہوئے استعفادے کر سبک دوش ہوئے اور پھر ممبئی ومارہرہ مطہرہ میں دعوت وارشاد اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہوگئے تھے۔

حضرت سیدِ ملت کو بیعت وخلافت اپنے والد ماجد حضرت سید العلما سید شاہ آلِ مصطفیٰ سید میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، جب کہ اجازت وخلافت اپنے عمِ محترم حضرت احسن العلما سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ اور سید شاہ حبیب احمد علیہ الرحمہ مسولی شریف بارہ بنکی سے حاصل تھی۔ والدِ گرامی کی تعلیم وتربیت تو تھی ہی لیکن حضرت احسن العلما بھی آپ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے، وہ آپ کی نعتوں کو خوب پسند فرماتے تھے، حضرت احسن العلمانے مسندِ سجادگی پر جلوہ گر ہوکر سب سے پہلے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت سید ملت کا حلقۂ ارادت تو بہت وسیع تھا، آپ نے اپنے خاندان کی ۶/شخصیات کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا، جب کہ دیگر اہم شخصیات میں ۲۴/اسمائے گرامی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب کے طفیل آپ کا یہ روحانی سلسلہ اسی طرح جاری رکھے۔

حضرت سید ملت علیہ الرحمہ دنیا کی آٹھ زبانیں جانتے تھے، عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت، گجراتی، مراٹھی اور انگریزی۔ آپ کو مہاراشٹر

اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی جانب سے سال ۱۹۸۰ء میں بہترین اردو صحافی کا ایوارڈ دیا گیا۔

سید ملت حضرت نظمی میاں علیہ الرحمہ تمام تر مصروفیات کے باوجود شعر و ادب اور تصنیف و تالیف سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف اور تالیفات بھی تین درجن سے زائد ہیں (۱) کلام الرحمٰن [ہندی ترجمہ کنز الایمان و خزائن العرفان] (۲) مصطفٰے جانِ رحمت ﷺ [مختصر سیرت] (۳) شانِ نعتِ مصطفٰی ﷺ [کلامِ رضا پر تضمین] (۴) مدائح مصطفٰی ﷺ [نعتیہ دیوان] (۵) اسرار خاندان مصطفٰے ﷺ [ترجمہ رسالہ فارسی] (۶) تنویر مصطفٰے ﷺ [نعتوں کا مجموعہ] (۷) عرفانِ مصطفٰی ﷺ [مجموعۂ کلام] (۸) نوازش مصطفٰے ﷺ [نعتیہ دیوان] (۹) مصطفٰے سے آلِ مصطفٰے تک [تذکر مرشدانِ سلسلہ برکاتیہ] (۱۰) مصطفٰے سے مصطفٰے رضا تک [تذکرہ] (۱۱) قرآنی نماز بمقابلہ مائکروفونی نماز [اردو میں رسالہ] (۱۲) قرآنی نماز بمقابلہ مائکروفونی نماز [ہندی میں رسالہ] (۱۳) دی گریٹ بیانڈ [علمِ غیبِ رسول ﷺ پر انگریزی رسالہ] (۱۴) نظم الٰہی [انگریزی تفسیر سورہ بقرہ] (۱۵) گستاخی معاف [ہندی انشائیے] (۱۶) گھر آنگن میلاد [خواتین کے لیے میلاد نامہ مختصر] (۱۷) گھر آنگ میلاد [برائے خواتین مفصل] (۱۸) ذبح عظیم [واقعاتِ کربلا] (۱۹) دی وے ٹوبی [انگریزی ترجمہ بہارِ شریعت حصہ ۱۶] (۲۰) کیا آپ جانتے ہیں؟ [اسلامی معلومات] (۲۱) اسلام دی ریلی جن الٹی میٹ [انگریزی] (۲۲) ڈیسٹی نیشن پیراڈائز [فضائل صحابہ، انگریزی] (۲۳) گیٹ وے ٹو ہیوین [خواتین کے لیے رسالہ، انگریزی] (۲۴) ان ڈیفنس آف اعلیٰ حضرت [انگریزی] (۲۵) فضل ربی [سفرنامہ اردو] (۲۶) فضل ربی [سفرنامہ ہندی] (۲۷) سبع سنابل پر اعتراضات کے جوابات (۲۸) قصیدہ بردہ شریف [اردو، ہندی و انگریزی میں ترجمہ و تشریح] (۲۹) کتاب الصلوٰۃ [طریقۂ نماز پر انگریزی رسالہ] (۳۰) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کتاب ”الامن والعلیٰ“ کا انگریزی ترجمہ (۳۱) ہندی ترجمہ نئی روشنی [اصلاحی ناول مصنفہ حضور سید العلما علیہ الرحمہ] (۳۲) مصطفٰے سے مصطفٰے حیدر حسن تک [تذکرہ] (۳۳) بعد از خدا.... [مکمل نعتیہ دیوان] (۳۴) کیا آپ جانتے ہیں؟ [ہندی] (۳۵) چھوٹے میاں [خانقاہی پس منظر میں ایک ناول] (۳۶) عمر قید [گجراتی کلاسیکی ناول کا اردو ترجمہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کے لیے] (۳۸) لولو [شیلانگ کے پس منظر میں ایک سماجی ناول]

حضرت سید ملت اپنے مضامین و مقالات کی اشاعت کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

> ”ہند کے ممتاز اردو اخبارات اور جرائد مثلاً نیا دور (لکھنؤ)، آج کل (نئی دلی)، استقامت ڈائجسٹ (کانپور)، انقلاب، اردو ٹائمز، ہندوستان، سب رس، ہندوستانی زبان، صبح امید، قومی راج (ممبئی)، کھلونا، ہما، ہدیٰ، ہدف، ہزار داستان، پیامِ مشرق، پرچمِ ہند (نئی دہلی)، ہندی روزنامہ لیٹسٹ (رائے پور مدھیہ پردیش)، انگریزی رسالہ دی مرر، پندرہ روزہ ریاضِ عقیدت (کونچ، ضلع جالون)، میں کہانیوں، افسانوں، انشائیوں، نظموں اور غزلوں کی اشاعت۔ اس کے علاوہ سیکڑوں کتابوں پر تبصرے جو برسوں تک ماہ نامہ صبح امید ممبئی میں شائع ہوتے رہے۔ ساتھ ہی ممبئی سے نکلنے والے اردو روزنامہ شامنامہ میں عرصۂ دراز تک نظمی کے ترتیب دیے ہوئے علمی ادبی معمے شائع ہوئے اور کافی مقبول ہوئے۔“ (مقدمہ بعد از خدا...)

حضرت سیدِ ملت علیہ الرحمہ نے ملک بھر کے دورے کیے، غیر ملکی اسفار میں حجازِ مقدس، عراق، دبئی، اسرائیل، شام، انگلینڈ، پاکستان، نیپال وغیرہ۔ پہلا حج ۱۹۸۵ء میں، دوسرا حج ۱۹۹۴ء میں، تیسرا حج ۱۹۹۷ء میں۔ ۱۹۹۹ء میں بڑا عمرہ اور زیارتِ مقاماتِ مقدسہ بغداد، بیت المقدس، شام، اسرائیل، ۔ رمضان عمرہ ۲۰۰۰ء میں کیا۔

سیدِ ملت حضرت نظمی میاں مارہروی فنِ نعت گوئی میں بلند مقام رکھتے ہیں وہ بلا شبہہ اپنے عہد کے حسان الہند تھے۔ عشق انگیز مفاہیم، دردِ دل جگا دینے والا لب و لہجہ، جدید اصطلاحات، نادر ردیفیں، مشکل قوافی، سنگلاخ زمینیں، جمالیاتی دروبست، خوب صورت الفاظ کا حسنِ انتخاب، دل آویز بندشیں، شعریت اور نغمگی کی فراوانی اور جزئیات نگاری حضرت نظمی کی شاعری کے چند ممتاز پہلو ہیں۔ حضرت نظمی میاں علیہ الرحمہ نے بعض ایسی زمینوں میں بھی نعتیں کہی ہیں کہ اردو کی نعتیہ شاعری میں اس کی مثالیں نایاب ہیں یا کم از کم کمیاب ہیں۔ حضرت مصنف اپنے نعتیہ دیوان ”عرفانِ مصطفٰی“ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ”عرفان مصطفٰی میں ہم نے اپنی روایتوں کو برقرار رکھتے ہوئے مشکل اور سنگلاخ زمینیں چنی ہیں، نئی اصطلاحیں بھی ہیں اور جدید نعت کی انگڑائیاں بھی۔ ایک بہت ہی طویل بحر کی نعت اس دیوان میں شامل ہے۔ میرے عزیز ترین بھائی ڈاکٹر سید محمد امین

میاں برکاتی خلف ارشد حضور احسن العلما دامت برکاتہم القدسیہ جو فی الوقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریڈر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اردو ادب میں اتنی طویل بحر میں کسی نے نعت نہیں لکھی۔" (عرفانِ مصطفی، ص:۶، ۷)

عرفانِ مصطفی میں شامل اس بحرِ طویل کی نعت کا ایک مصرعہ دیکھیے:

"یہی آرزو ہے یہی جستجو ہے، کہ جب تک رہیں دھڑکنیں میرے دل میں چلیں میرے سینے میں جب تک یہ سانسیں، کیے جاؤں آقائے نعمت کی باتیں، انھیں مصطفی جانِ رحمت کی باتیں"

حضرت نظمی میاں ہندی اور سنسکرت میں بھی بھرپور شاعری کرتے تھے۔ ذیل میں ایک ہندی بند آپ ہی کے آزاد اردو ترجمہ کے ساتھ پڑھیے۔

کوٹی کوٹی پرنام نت مستک سکل پر جا جنم ہے دین بندھو دیاندھی ابھی نندنم سو سواگتم

شاہ امم، شاہ امم

ترجمہ: کروروں درود و سلام، سارے جہاں والوں کا سرِ تسلیم خم ہے، اے غریبوں کے غم گسار، گنجینۂ رحم و کرم تشریف لائیں، آپ کا خیر مقدم ہے، استقبال ہے۔

نوازشِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا، حضرت نظمی میاں کا چوتھا دیوان ہے۔ جس میں نعتوں کے ساتھ مناقب کا بھی خاصا حصہ شامل ہے، اس دیوان کی ترتیب حضرت کے تیسرے سفرحج کے بعد عمل میں آئی جب آپ منیٰ کی جھلساتی ہوئی آگ کے اثر سے شفایاب ہوگئے، آپ اس دیوان کے آغاز میں لکھتے ہیں:

قارئین کرام کو نظمی کا سلام:

کچھ پرانی، کچھ نئی نعتیں لیے ایک بار پھر آپ کی خدمت میں حاضر آیا ہوں۔ عرفانِ مصطفی سے نوازشِ مصطفی تک کا سفر اس بار ذرا لمبا رہا۔ اس کی وجہ کچھ تو مصروفیت تھی، اور کچھ علالت۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان کہ اس نے مجھے تیسری بار حاضری حرمین شریفین کی سعادت عطا فرمائی۔ مقامِ منیٰ کا وہ پہلا دن زندگی کا ایک یادگار دن بن گیا ہے۔ وہ آگ ایک قیامت سے کم نہ تھی نفسی نفسی کا عالم اب تک سنا پڑھا ہی تھا، مگر اس قیامت خیز آگ نے ایک لمحے کے لیے حشر کے میدان کا نقشہ پیش کر دیا۔ میں بھی اس آگ میں پھنس گیا۔ والدہ ماجدہ کو بچانے کے دوران آگ نے میرے بدن کا دس فی صد حصہ بری طرح جھلسا دیا۔ اللہ کا عظیم احسان ہے کہ میرے ارکانِ حج مکمل ہوگئے۔ قربان جائیے ربِ رحیم کے اس پیارے حبیب ﷺ کے کہ ان کا تصور کرتے ہی ساری کلفتیں دور ہوجاتی ہیں۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی نئے تجربات لے کر حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔" (نوازشِ مصطفی، ص:۴، ۵)

شہزادۂ احسن العلما قدس سرہ حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی مد ظلہ نے اس دیوان کے مقدمہ میں حضرت نظمی میاں علیہ الرحمۃ کی شاعرانہ نظم کی چند خصوصیات اور اہم نکات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی لکھتے ہیں:

"نظمی کی شعر گوئی کو سمجھنے کے لیے کچھ نکات پر توجہ دینا لازمی ہے، سب سے پہلا اور یقیناً سب سے اہم نکتہ ان کا عشقِ رسول ہے جس کی چاشنی کے بغیر نعت کا شعر قبولِ عام حاصل ہی نہیں کر سکتا......... نظمی خود بھی اس نکتے کے عارف ہیں:

نعت میں نظمی کو کچھ یوں ہی نہیں شہرت ملی جذبۂ حبِ نبی شعروں کے اندر رکھ دیا

دوسرا نکتہ جو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ نظمی نے اپنے بیش تر اشعار کی بنیاد آیاتِ قرآنی اور حدیثِ محبوبِ ربانی پر رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں بھرتی کے مضمون نظر نہیں آتے.... تیسرا بہت اہم نکتہ ہے نعت کے شعر میں احتیاط کا دامن تھامے رکھنا.... نظمی اپنے ان اجدادِ کرام کے اس وصف سے بھی واقف ہیں کہ خانقاہ برکاتیہ کا سجادہ نشیں علمِ معرفت اور شریعت و طریقت دونوں میں سے کسی کو بھی فراموش نہیں کرتا۔ وہ طریقت کا نعرۂ مستانہ بھی شریعت کی حدود کے اندر رہ کر لگاتا ہے اور یہیں سے جنم لیتی ہے وہ احتیاط اور یہیں سے بنتا ہے وہ ضبط جو خانقاہ برکاتیہ کا خاصہ ہے۔ نظمی کی شاعری کا تجزیہ کرتے وقت ان کی زبان دانی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا..... نظمی اپنے شعر میں جو لفظ لاتے ہیں وہ اس کی روح سے واقف ہوتے ہیں۔ جہاں آسمان

کہنا ہوتا ہے وہاں فلک نہیں کہتے، جہاں زمین باندھنا ہوتا ہے وہاں دھرتی نہیں باندھتے.... نظمی کے اشعارر کی ایک نمایاں خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں اشیا، کیفیات، واردات اور حالات کی اتنی خوب صورت اور مناسب جزئیات نگاری کرتے ہیں کہ شعر کا حق ادا ہوجاتا ہے..... نظمی کی ایک اور خوبی سے صرفِ نگاہ کرنا بے انصافی ہوگی وہ یہ کہ نظمی نے کہیں کہیں بڑی ٹیڑھی ترچھی بحروں میں اور کبھی کبھی بہت ادق ردیفوں میں اپنا کمالِ شعر آزمایا ہے۔ لیکن خدا لگتی کہنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ ایسے تمام موقعوں پر کمالِ فن نے نظمی کے ہاتھ چومے ہیں۔ نظمی کی شاعری کی بہت نمایاں خصوصیت ہے اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت سیدی احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے فیض اٹھانا۔ ایسے کسی بھی موقع پر نظمی نے اپنے فیض کے منبع کو چھپایا نہیں ہے..... نظمی کی نعت گوئی کی ایک امتیازی صفت ہندی کے مدھر بولوں کا استعمال ہے۔ یہ وہ ہندی نہیں جس میں آکاش وانی کی خبریں نشر ہوتی ہیں بلکہ یہ وہ بولی ہے جو بڑے تمدنوں کے سنگم سے وجود میں آتی ہے..... چوکھا رنگ، ملنگ، دبنگ، پیم، سونے نین، چرن اور ان جیسے کتنے ہی الفاظ نظمی کی اس صنعت کے آئینہ دار ہیں۔ "(نوازشِ مصطفیٰ، ص: ۱۷،۱۸)

اس حقیقت کا حضرت نظمی میاں برملا اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے امام احمد رضا قدس سرہ کی نعتیہ شاعری سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور ان کی ڈگر پر بہت دور چل کر دکھایا ہے۔ انھوں نے حضرت رضا بریلوی کی نعتوں پر کامیاب تضمینیں کی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی آواز میں آواز ملا دینا کوئی معمولی بات نہیں یہ جرأت فکر وقلم ان کے شاعرانہ کمال اور امام احمد رضا کے پرتوِ جمال ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔ ان کا مجموعہ کلام "شانِ نعت مصطفیٰ مسمّٰی بہ فیوضِ کلک رضا" اعلیٰ حضرت کی سترہ نعتوں پر تضمینوں کا مرقعِ جمال ہے۔ ان تضمینوں میں حضرت نظمی کا فن امام احمد رضا کے فیضانِ نور کا آئینہ دار بن گیا ہے اور بعض مقامات پر تو اتنے قریب سے ہو کر گزرے ہیں کہ کلامِ نظمی پر کلامِ رضا ہونے کا شبہہ ہونے لگتا ہے۔

نعت کا یہ انداز نیا کس نے اپنایا نظمی نے — کلکِ رضا کا سایہ جگ کو کس نے دکھایا نظمی نے
اک اک شعر میں رنگِ رضا کس نے چمکایا نظمی نے — قلم کا جادو گھر گھر دل دل کس نے جگایا نظمی نے
یہ ہے شہِ بطحا کی عنایت صلی اللہ علیہ وسلم

سیدِ ملت حضرت سید شاہ آلِ رسول نظمی میاں علیہ الرحمۃ امام احمد رضا کے مرکز عقیدت مارہرہ مطہرہ کے چشم وچراغ تھے، انھوں نے خاندانی وجاہت وسیادت کے باوجود اپنی محنت ولگن سے بلندیوں کا سفر طے کیا، تلاش وتحقیق اور محنت وجستجو زندگی کی ہر ڈگر پر جاری رکھی۔ ان کا دل ودماغ خانقاہی فکر ومزاج سے سرشار رہتا تھا۔

ان کے وصال پر ملال کے بعد ان کے علمی، دینی اور روحانی وارث ان کے لختِ جگر ہیں، وہ اپنی خاندانی اور اپنی علمی اور عملی خوبیوں کی وجہ سے اپنے والد بزرگوار کے سچے جانشین ہیں۔ ہماری مراد ہیں پیکرِ اخلاص ووفا سراپا علم وعمل پیرِ طریقت حضرت علامہ سید شاہ سبطین حیدر قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ۔ موصوف بھی دینی، روحانی اور عصری علوم وفنون کے سنگم ہیں، خاص بات یہ ہے کہ آپ نے شہرہ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۰۰ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی، جب کہ روحانیت کی تکمیل خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں حاصل کی۔

مولا تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے اس چشم وچراغ کو تادیر سلامت رکھے، اور خانقاہ کا یہ علمی اور روحانی فیضان اسی طرح جاری رہے۔ آمین۔

فاضلِ اشرفیہ حضرت مولانا نصر اللہ رضوی کا سانحۂ ارتحال

۲۰۱۳ء واقعی غم واندوہ کا سال ہے۔ دسمبر ۲۰۱۳ء میں ہم نے مفتیِ اعظم راجستھان اور امامِ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا مرثیہ لکھا تھا، اور افسوس اس بار بھی ہمارے زیرِ قلم دو بزرگوں کے مرثیے ہیں۔ معروف عالمِ دین حضرت مولانا نصر اللہ رضوی بھی صبح ۴؍ بج کر ۱۵؍ منٹ پر ۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ / ۹؍ نومبر ۲۰۱۳ء کو اچانک اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا رضوی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نام ور فرزند اور علوم وفنون کے ماہر تھے۔ ۱۹۷۴ء سے تا وقتِ وصال درس وتدریس میں مصروف رہے، مقالہ نگاری، مضمون نویسی، تصنیف، حاشیہ نویسی اور ترجمہ نگاری آپ کا محبوب مشغلہ رہا۔ آپ اپنی خوش خلقی، تواضع، انکساری، نیکی اور ملنساری کے لیے بھی بہت مشہور

تھے، جس سے ملتے دل کھول کر ملتے اور دوستی کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے، مہمان نوازی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ علم و عمل اور فکر و فن میں بھی شہرۂ آفاق تھے۔ وہ جس موضوع پر بھی لکھتے لکھنے کا بڑی حد تک حق ادا کر دیتے تھے۔ علمِ فرائض اور حساب کتاب میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ اپنے استاذ گرامی حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے، ان کا روحانی رشتہ مرکز اہلِ سنت بریلی شریف سے تھا مگر علمی رشتہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تھا، اس لیے اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ پہلے رضوی اور پھر مصباحی لگاتے تھے، ان کا حلقۂ احباب باصلاحیت دانش وروں اور قلم کاروں کا تھا، وہ المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور کے انتہائی متحرک و فعال رکن تھے۔

ان کے انتقالِ پر ملال کی خبر ملی تو ہم جامعہ اشرفیہ میں قرطاس و قلم میں مصروف تھے، وصال کی خبر کو پہلے تو ہم نے مذاق سمجھا، مگر جب یقین ہوا تو دل و دماغ نے گہرا اثر قبول کیا۔ اور ہم اپنی کرسی پر پتھر کی طرح منجمد ہو گئے، احباب سے معلوم ہوا کہ بہت سے اساتذہ اور طلبہ نمازِ جنازہ میں شرکت کریں گے، اور شرکت کرنا بھی چاہیے۔ نمازِ جنازہ کا وقت بعد نمازِ ظہر طے ہوا تھا، جامعہ اشرفیہ سے نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے متعدّد گاڑیاں نکلیں، ۱۲ر بجے کے بعد ہم لوگ بھی نکلے، پہلے ہم لوگوں نے نمازِ ظہر ادا کی اور پھر مسجد سے جنازے کی طرف بڑھے، جنازے کے قریب علما، طلبہ اور افرادِ اہلِ سنت کی بھیڑ تھی، آبادی کے بیرونی حصے میں حضرت رضوی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنا نیا مکان تعمیر کرایا ہے، اسی کے قریب جنازہ رکھا گیا تھا، صفیں درست کی گئیں، امامت کے مصلے پر صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی جلوہ گر ہوئے اور انتہائی غم زدہ ماحول میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، اور پھر قریب میں حضرت رضوی صاحب کی زمین میں تدفین ہوئی۔ تمام ضروری امور سے فراغت کے بعد سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی نے مولانا مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے پس ماندگان اور متعلقین کو صبر و شکر کی تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل حضرت مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

فاضلِ اشرفیہ مولانا نصر اللہ رضوی کی ولادت ۳ر رجب ۱۳۷۵ھ/۱۵ر فروری ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ آپ کا مولد و مسکن آستانہ بھیرہ پوسٹ ولید پور ضلع مئو (یوپی) ہے۔ والد گرامی جناب ماسٹر محمد یونس (م ۱۸ر ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء) معمولی تعلیم یافتہ، نیک سیرت اور بلند اخلاق تھے۔ صوم و صلاۃ کے بھی حد درجہ پابند تھے، مسجد قدم رسول اور جامع مسجد نوری میں نماز پڑھاتے، گاہے بہ گاہے نمازِ جمعہ بھی پڑھا دیتے تھے، اخیر عمر میں بھی آپ کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

دین دار والدِ گرامی نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت بھی اسلامی طرز پر شروع کی، ابتدائی تعلیم کے لیے آبادی کے مکتب ”مدرسہ رحیمیہ میں داخل کرایا جہاں آپ نے پرائمری کی تعلیم اور ابتدائی فارسی پڑھی، اور خارجی طور پر کچھ ابتدائی عربی پڑھ لی تھی۔ ۱۹۶۸ء میں پورے ولولہ شوق کے ساتھ خاکِ ہند کی شہرۂ آفاق درس گاہ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخل ہوئے اور باضابطہ حضور حافظ ملت کی سرپرستی میں درس نظامی کی تعلیم شروع کی، آپ ابتدا ہی سے محنتی اور جفاکش تھے، جو کچھ درس گاہ میں پڑھتے اسے یاد کرتے اور ہم جماعت طلبہ کے ساتھ تکرار فرماتے، آپ کے اہم اساتذہ میں حضور حافظ ملت، ماہرِ علم و فن علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، قاضی شریعت مولانا محمد شفیع، مولانا شمس الحق گجہڑوی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، استاذ القراء قاری محمد یحییٰ مبارک پوری، مولانا اسرار احمد اور مولانا مظفر حسین ظفر ادیبی قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے بڑی محنت اور لگن سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کی طالب علمی کے دور میں صدر العلما مولانا محمد احمد مصباحی اعلیٰ جماعت کے طالب علم تھے، ان سے بھی آپ نے چند کتابیں پڑھیں، مولانا رضوی علیہ الرحمہ درسیات کے علاوہ علمِ فرائض، حساب و کتاب اور اہتمام و انصرام سے بھی خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ کی تدریس اور المجمع الاسلامی مبارک پور کی رکنیت کے دوران آپ نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

آپ نے ۱۰ر شعبان ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء میں فراغت حاصل کی، دستارِ فضیلت الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن افتتاح کے حسین موقع پر ۱۹۷۴ء میں ہوئی۔ اس جشن میں بڑی تعداد میں علمائے اہلِ سنت اور اکابر و مشائخ شریک ہوئے تھے۔

آپ کا وطن بھیرہ آپ کی طالب علمی کے دور میں بھی دیوبندیت زدہ تھا اور آج بھی ہے، بھیرہ میں ایک انجمن امجدیہ تھی، اس انجمن کے ذمہ دار حضرت مولانا محمد احمد مصباحی کے والد گرامی جناب محمد صابر مرحوم تھے اور دوسرے انتہائی متحرک و فعال میاں جی محمد مرحوم تھے، آبادی کے لوگ حضرت حافظ ملت، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی اور حضرت قاری محمد یحییٰ سے بے حد لگاؤ رکھتے تھے، گاؤں میں دیوبندی مکتبِ فکر کا ایک

اجلاس ہوا، نور محمد ٹانڈوی نے اس میں اعلان کیا کہ حیاتِ انبیا کا عقیدہ باطل ہے، نیز علماے اہلِ سنت کی جانب سے پیش کردہ دلیل الانبیاء احیاء فی قبورھم و یصلون و یرزقون کو غلط بتایا اور اس نے یہ بھی کہا کہ یہ حوالہ علامہ زرقانی کی مواہبِ لدنیہ میں ہرگز نہیں ہے۔ مولوی عبدالباری مبارک پوری نے بھی اعلان کیا کہ اگر کوئی سنی اس حوالے کو دکھا دے تو اسے پانچ سو روپے نقد انعام دوں گا۔ حضرت مولانا محمد احمد مصباحی ان دنوں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہدایہ اخیرین کے طالب علم تھے، آپ نے مواہب لدنیہ کی چھٹی جلد انجمن اشرفی دار المطالعہ سے نکال لی اور اہل بھیرہ نے اہلِ سنت کا ایک جلسہ طے کر دیا اور بحیثیت خطیب حضور حافظ ملت، حضرت بحر العلوم اور حضرت قاری محمد یحیٰ علیہ الرحمہ کو مدعو کر لیا۔ ان طلبہ نے مواہب لدنیہ اسٹیج پر سجادی اور اب بحیثیت خطیب حضرت بحر العلوم خطابت کی کرسی پر جلوہ گر ہوئے۔ اب اس کے بعد کی تفصیل حضرت مولانا نصر اللہ رضوی کے قلم سے پڑھیے:

”حضرت بحر العلوم نے تقریر کا ملکہ عیاں کرتے ہوئے عمدہ تمہید سے تقریر شروع کی، جس کے مضامین اب تک ذہن میں نقش کالحجر ہیں۔ تمہید کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، انعام دینا نہ دینا آپ کا کام ہے، حوالہ ثابت کرنا اور دکھانا ہمارا کام ہے، لیجیے اور حوالہ دیکھیے۔ پھر کتاب اٹھائی، صفحہ اور سطر کی وضاحت کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سنائی اور کہا، جسے دیکھنا ہو یہاں آکر دیکھ لے، مگر کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ آکر دیکھتا۔“ (بحر العلوم نمبر ص:۶۹۶، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

اس حوالے کے دکھانے سے اہلِ سنت کے اسٹیج اور سامعین میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی، تمام خطابات اور صلاۃ و سلام کے بعد حافظِ ملت کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ فاضلِ اشرفیہ مبارک پور ہوئے، اسی کے ساتھ آپ نے الہ آباد عربی فارسی بورڈ سے منشی منشی کامل، مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضلِ ادب اور فاضلِ طب اور جامعہ اردو علی گڑھ میں ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کیا۔

فراغت کے بعد مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ نے باضابطہ تدریس شروع فرمائی، سب سے پہلے حضرت حافظ ملت نے آپ کے بحیثیت صدر المدرسین مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم ادری، ضلع مئو بھیجا۔ اس کے بعد کچھ دنوں کے لیے آپ مدرسہ معراج العلوم دیوریا تشریف لے گئے، دیوریا قیام کے دوران ایک مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۱۹۷۶ء میں بحیثیت صدر المدرسین دار العلوم غوثیہ نظامیہ ذاکر نگر جمشید پور بہار (اب جھارکھنڈ) چلے گئے۔ جمشید پور میں ذاکر نگر حضور حافظ ملت کا خاص علاقہ ہے، وہاں آپ نے انتہائی محنت اور جد و جہد کے ساتھ تدریسی اور تبلیغی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۸ء میں آپ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ضلع مئو تشریف لے آئے، یہ ادارہ آپ کے وطن مالوف سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس ادارے میں آپ کی خدمات قریب ۳۵؍ برس پر محیط ہیں، آپ نے یہاں ایک ملازم کی حیثیت سے نہیں بلکہ دین و سنیت کے سچے خادم کی حیثیت سے خدمت کی، کوئی بھی انسان جب اپنے وطن میں خدمت کرتا ہے تو اسے صرف انتظامیہ ہی کو مطمئن کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس علاقے کی بستیوں سے بھی فطری لگاؤ ہوتا ہے، وہ وہاں کچھ کر گزرنے کا ذوق رکھتا ہے، کیوں کہ اس کی نظر میں صرف ملازمت نہیں ہوتی بلکہ اپنے علاقے سے سچی محبت کار فرما ہوتی ہے۔ مولانا نے اس ادارے میں صرف ایک مدرس کی حیثیت سے نہیں بلکہ دین و سنیت کے سچے وفادار خادم کی حیثیت سے گراں قدر کارنامے انجام دیے۔

آپ کے تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں جو ملک و بیرون ملک درس و تدریس، امامت و خطابت، صحافت و قیادت اور تصنیف و تالیف کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں بہت سے بجائے خود ایک تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں، ہم ذیل میں چند نام ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) مفتی احمد القادری مصباحی مقیم حال امریکہ (۲) مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی (۳) قاضی شہید عالم جامعہ نوریہ بریلی (۴) مولانا اعجاز انجم لطیفی استاذ جامعہ منظر اسلام بریلی (۵) مولانا جمال اشرف مصباحی استاذ جامعہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج (۶) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۷) مولانا سید فاروق رضوی استاذ جامعہ حنفیہ غوثیہ بنارس (۸) مولانا ابو الوفا بھیروی استاذ مدرسہ حق الاسلام بستی (۹) مولانا رونق احسان بانی و مہتمم مدرسہ گلشن ابراہیم پٹنہ (۱۰) مولانا مسیح اللہ فیضی مصباحی استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ۔

حضرت مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ کا تحریر و قرطاس سے بھی بڑا گہرا رشتہ تھا، اردو، عربی اور فارسی لکھنے لکھانے پر بھرپور قادر تھے۔ آپ خود بھی

لکھتے اور اپنے طلبہ سے بھی لکھواتے تھے، اپنے طلبہ کو مقابلہ جاتی پروگراموں میں شرکت کراتے اور گہری توجہ کے ساتھ ان سے مضامین اور مقالات تحریر کراتے تھے۔ ان کے طلبہ آج بھی ان کی کرم فرمائیوں کو یاد کرتے ہیں اور ان کے حوالے سے اپنے طلبہ کی تحریری مشق کراتے ہیں۔ آپ نے اردو میں درجنوں علمی اور فقہی مقالات تحریر فرمائے، متعدّد کتابوں کے اردو اور عربی میں حواشی تحریر کیے۔ عربی اور فارسی کتابوں کے انتہائی اہم ترجمے کیے۔ آپ صرف مقالات تحریر ہی نہیں کرتے تھے بلکہ موضوع کی تہ تک پہنچنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے، فقہی سیمیناروں کے مقالات لکھنے لکھانے کا مقصد صرف لکھنا نہیں ہوتا، بلکہ جدید حالات میں قدیم مسائل سے فقہ حنفی کے اصول کی روشنی میں اصل حکم کا استخراج ہوتا ہے۔ مولانا کے فقہی مقالات پر نظر ڈالیے تو صرف عنوانات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان جدید مسائل کو فقہی اصول کی روشنی میں حل کرنا کتنا مشکل ہوگا مگر مولانا فقہی مسائل پر لکھتے تھے اور آخر میں بڑی وضاحت کے ساتھ اصل حکم تک پہنچنے کی بھرپور کشش فرماتے تھے۔

المجمع الاسلامی جب محمد آباد گوہنہ میں آیا تو ایک ذمہ دار رکن کی حیثیت سے منسلک ہوگئے، ان دنوں علامہ محمد احمد مصباحی بھی بحیثیت پرنسپل مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم محمد آباد گوہنہ میں تھے۔ ان سے اور دیگر اراکین میں مولانا لیٰسٓ اختر مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا افتخار احمد اعظمی، مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا احمد القادری مصباحی، مولانا عبد الغفار مصباحی اور مولانا عارف اللہ مصباحی وغیرہ سے گہرا رابطہ رہا، عام طور پر جب تحریر و اشاعت کے مسائل در پیش ہوتے تو باہم تبادلۂ خیالات ہوتے اور اتفاق رائے سے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا، اس وقت تحریر و قرطاس کے حوالے سے دنیا کا رخ کیا ہے، دوسری جماعتیں اس حوالے سے کتنی آگے نکل گئی ہیں، اب ہمیں اپنی جماعت کی طرف سے کیا کرنا چاہیے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، یہی مسائل سامنے ہوتے، غور و فکر کے بعد کسی اہم نتیجے تک پہنچتے اور اسی کے مطابق کام کی رفتار ہوتی، ادھر کافی دنوں سے اہلِ سنت میں داخلی اور خارجی اختلافات بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ ان امور پر بھی آئے دن گفتگو ہوتی، راقم سطور بھی بہت سے مواقع پر ساتھ رہتا اور مولانا نصر اللہ رضوی کی دور اندیشی، استصواب رائے اور نتیجہ خیزی سے متاثر ہوتا، ملت نگر مبارک پور میں ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۴ء میں زمین کی خریداری، اس کی نقشہ سازی اور تعمیر و ترقی میں بھی مولانا کا بڑا کلیدی کردار رہا۔

ہمیں یاد آتا ہے کہ جب مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ میں قائم ہوئی، اس کی متعدّد میٹنگیں ہوئیں، کچھ دنوں کے بعد اس کا سارا نظام صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی کی صدارت میں آگیا تو باضابطہ کام کا آغاز ہوا، ان دنوں پاکستان سے حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری بھی تشریف لائے تھے، ان کی آمد چوں کہ اسی اہم کام کے لیے ہوئی تھی، حضرت صدر العلما کی صدارت میں اساتذۂ اشرفیہ کی مختلف نشستیں ہوئیں۔ مجلسِ برکات کا بنیادی نشانہ درس نظامی کی اشاعت تھا، علماے دیوبند نے اپنے فکر و قلم کا بے جا استعمال کر کے اکابر کے حواشی سے ان کے اسماے گرامی ہی ختم کر دیے تھے۔ بعض مقامات پر انتہائی چابک دستی سے ان کی جگہ اپنے نام لکھ دیے تھے، اس قسم کی بہت سی چیزیں سامنے آئیں۔ خیر اتفاقِ رائے سے یہ طے پایا کہ جن کتابوں پر بزرگوں کے حواشی اصل ناموں کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں، پہلے انھیں شائع کر دیا جائے۔ ان کتابوں کی پہلی کھیپ کے لیے ہم تین لوگوں کو نامزد کیا گیا، حضرت مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ، مولانا زاہد علی سلامی اور راقم مبارک حسین مصباحی۔ ہم لوگ چند دن دہلی میں مقیم رہے، کھانا پینا اور رہنا سہنا ساتھ ساتھ رہا۔ دہلی قیام کے دوران کتابوں کے ٹائٹل بنوانا اور کتابوں کی اشاعت کرانی تھی۔ اس دوران کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا جس سے کسی کے دل میں کوئی خلش پیدا ہوئی ہو۔ حضرت مولانا نصر اللہ رضوی بلا شبہہ بلند اخلاق اور معاملہ فہم تھے، کس سے کیا بات کرنا ہے، عدم اعتماد کی صورت میں گفتگو کیسے کی جائے، اگر کوئی چیز پسند نہ ہو تو معاملہ کو کس طرح ٹالا جائے، مولانا رضوی صاحب دل جوئی اور ملنساری میں بھی بے مثال تھے، لطیفہ گوئی اور ہنسنے ہنسانے میں بھی اپنی مثال آپ تھے، سب کچھ ادب کے دائرے میں رکھتے ہوئے محفل کو لالہ زار بنا دیتے تھے۔

گفتگو چل رہی تھی، مولانا کے قرطاس و قلم کی، مولیٰ تعالیٰ نے یہ صلاحیت بھی آپ کو بھرپور عطا فرمائی تھی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زیرِ اہتمام "مجلسِ شرعی" ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں قائم ہوئی، مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ ابتدا ہی سے اس سے منسلک ہو گئے تھے، ابتدائی دو ایک سیمیناروں کو چھوڑ کر تمام سیمیناروں کے لیے آپ نے گراں قدر علمی اور فقہی مقالات تحریر فرمائے صفحات کی وضاحت کے ساتھ جن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی کی شرعی حیثیت -۷، (۲) دوامی اجارہ -۴، (۳) دیون اور ان کے منافع کی زکوٰۃ (۴) اسبابِ ستہ اور عمومِ بلویٰ کی تنقیح -۱۸ (۵) اعضا کی پیوند کاری -۳ (۶) غیر مسلم ممالک میں جمعہ و عیدین -۱۵، (۷) ہائر پرچیز [کرایہ فروخت] کا حکم -۴ (۸) چھت سے سعی و طواف -۷ (۹) بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت -۴، (۱۰) فقدانِ زوج کی مختلف صورتوں کے احکام -۶، (۱۱) فسخِ نکاح بوجہِ تعسرِ نفقہ -۷، (۱۲) فلیٹوں کی

خرید وفروخت کے جدید طریقے -۷، (۱۳) مصنوعی سیارہ [سیٹلائٹ] سے رویتِ ہلال کا حکم -۹، (۱۴) قضاہ اور ان کی حدودِ ولایت -۷، (۱۵) مسائلِ حج - ۶، (۱۶) آنکھ اور کان میں دوا ڈالنا مفسد صَوم ہے یا نہیں -۳، (۱۷) دنیا کی حکومتیں اور ان کی شرعی حیثیت -۲، (۱۸) تقلیدِ غیر کب جائز اور کب ناجائز - ۷، (۱۹) بیت المال اور مسلم اسکول و کالج کے نام پر تحصیلِ زکوۃ -۹ (۲۰) تحصیلِ صدقات پر کمیشن کی تنقیح -۸ (۲۱) طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط -۵، (۲۲) مساجد میں مدارس کا قیام -۹، (۲۳) میچول فنڈ کی شرعی حیثیت -۷، (۲۴) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت -۱، (۲۵) درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم -۷، (۲۶) جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم -۵، (۲۷) مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام -۷، (۲۸) مجوزہ فلیٹوں کی سلسلے وار بیع - ۵، (۲۹) غیر رسم عربی میں قرآن کریم کی کتابت -۱۲، (۳۰) طویلے کے جانوروں اور دودھ پر زکوۃ -۲، (۳۱) اینی میشن کا شرعی حکم -۷، (۳۲) برقی کتابوں کی خرید و فروخت -۴، (۳۳) زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال -۴، (۳۴) انٹرنیٹ کے شرعی حدود -۶ (۳۵) بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں -۴، (۳۶) فلیٹوں کی زکوۃ -۳، (۳۷) مسئلہ کفاءت عصرِ حاضر کے تناظر میں -۱۱، (۳۸) ڈی این اے ٹیسٹ اسلامی نقطۂ نظر سے -۱۰ (۳۹) انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم -۷ (۴۰) چلتی ٹرین پر فرض اور واجب نمازوں کا حکم -۱۱ (۴۱) جینٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم -۱۰

موجودہ اکیسواں فقہی سیمینار پونے مہاراشٹر میں ۱۹ر تا ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۳ء میں منعقد ہونے والا ہے۔ اس کے لیے درج ذیل مضامین کا مسودہ تیار کر لیا تھا، مبیضہ کرنے کے لیے گھر لے کر گئے تھے، مگر افسوس طبیعت خراب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے

(۱) بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم۔ (۲) رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت

(۳) جدید ایجادات میں قرآن مقدس بھرنے اور اسے چھونے کا حکم

آپ نے ان فقہی اور تحقیقی مقالات کے علاوہ کچھ مضامین بھی مرتب فرمائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) انوارِ امامِ اعظم میں ـــ اخلاقی اور اجتماعی مسائل میں امام اعظم کے افکار۔

(۲) معارف شارح بخاری میں ـــ نزہۃ القاری اور فقہی مسائل۔

(۳) جہانِ مفتی اعظم میں ـــ مفتی اعظم اور اسناد فقہ و حدیث۔

(۴) جہانِ مفتی اعظم میں ـــ حضور مفتی اعظم کی حق گوئی و بے باکی۔

(۵) بحر العلوم نمبر میں ـــ بحر العلوم کی علمی وجاہت۔

(۶) شیخ اعظم نمبر میں ـــ حضرت شیخ اعظم، خدمات اور کارنامے۔

(۷) علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر میں ـــ مسئلہ امتناع النظیر اور علامہ فضل حق خیر آبادی۔ [یہ مضمون ابھی غیر مطبوعہ ہے]

(۸) دیوان لطیفی اور تصوف۔

(۹) امین شریعت ٹرسٹ فقہی کونسل دہلی سیمینار کے لیے ـــ جدید ذرائع ابلاغ اور رویتِ ہلال کا مسئلہ

جہاں تک ہماری نظر پہنچی، یہ فہرست ہم نے مرتب کر دی، ان کے علاوہ بھی کچھ مضامین و مقالات اور تبصرے ہوں گے جہاں تک ہماری نظر نہیں پہنچ سکی۔

درج بالا مقالات و مضامین کے علاوہ آپ نے متعدد وقیع کتابیں لکھیں، ان میں کچھ مستقل تصانیف و تالیفات ہیں اور کچھ تراجم و حواشی۔ اب ہم ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تعارف نوٹ کرتے ہیں۔

(۱) - سیدنا عبد الوہاب جیلانی کا مدفن بغداد یا ناگور: یہ کتاب دراصل "تاریخ مشائخ قادریہ" جلد اول کی ایک غلط بیانی کی تردید اور حقائق کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہے۔ تاریخ مشائخ قادریہ حصہ اول جلد دوم ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کی تصنیفِ لطیف ہے جو سن ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کی بھرپور تحسین و تبریک ہوئی، لیکن اس کا ایک خاص گوشہ حضرت سید جیلانی علیہ الرحمہ کے مدفن کے حوالے سے بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا پورا زورِ قلم اس رُخ پر صَرف کیا کہ ان کا مدفن بغداد نہیں بلکہ ہندوستان کا شہر ناگور ہے، اس بات کو لے کر اہلِ علم تاریخ دانوں میں چہ میگوئیاں تو بہت ہوتی تھیں، لیکن ساری باتیں باتوں ہی کے دائرے تک رہتی تھیں، قابلِ مبارکباد ہیں ایک بزرگ جناب سید ذکی احمد جنھوں نے اپنا اختلاف

تحریری شکل میں پیش کیا، یہ کتاب تذکرہ حضرت شیخ سیف الدین عبد الوہاب قدس سرہ اپریل ۲۰۰۱ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی، کتاب کی بہت پذیرائی ہوئی، مگر ڈاکٹر انجم صاحب نے اس کا بھی کوئی خاص اثر قبول نہیں کیا، بلکہ نومبر ۲۰۰۷ء میں ایک مضمون "سلسلہ قادریہ ہندوستان میں" لکھا۔ انھوں نے پھر اپنی منفرد تحقیق کا مظاہرہ کیا اور اپنی کھلی غلطی پر اہلِ علم کو اپنی ہم نوائی کی خاموش دعوت بھی دی۔

قابلِ مبارک باد ہیں حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کہ انھوں نے اس رخ پر سنجیدگی سے غور کیا اور کچھ مواد دے کر مولانا نصر اللہ رضوی کو اس موضوع پر باضابطہ مقالہ لکھنے کی دعوت دی، آپ نے انتہائی محنت سے ایک علمی مقالہ "سیدنا عبد الوہاب جیلانی کا مدفن بغداد یا ناگور" تحریر فرمایا۔ یہ مقالہ فروری، مارچ، اپریل ۲۰۰۸ء میں جامِ نور دہلی سے قسط وار شائع ہوا۔ اس پوری کتاب کا نشانہ صرف اتنا ہے کہ حضرت سیدنا عبد الوہاب جیلانی رضی اللہ عنہ کا مزار اقدس ناگور نہیں بلکہ بغداد مقدس کے مقبرہ حلبہ میں ہے۔ المجمع الاسلامی مبارک پور سے جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی، اپنے موضوع پر یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

(۲) برکات السراج لحل اصول السراجیہ: تقسیم وراثت کے موضوع پر سراجی صدیوں سے مقبولِ انام ہے، علمائے کرام اور مفتیانِ عظام دنیا بھر میں اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں، اصل مأخذ کے مصنف معروف عالمِ دین حضرت شیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندی (م ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء) ہیں۔ مجدد و مفکر امام احمد رضا محدث بریلوی نے بھی اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ یہ کتاب آج بھی درس گاہوں میں داخلِ نصاب ہے، سراجی کی مختلف زبانوں میں توضیح و تشریح بھی ہوئی، اور متعدد زبانوں میں اس کے تراجم بھی ہوئے، قابلِ مبارک باد ہیں مولانا نصر اللہ رضوی کہ انھوں نے بھی اس کتاب کا ایک کامیاب حاشیہ عربی زبان میں تحریر فرمایا۔

(۳) برکات السراج کے آخر میں محشی کی اہم کتاب "قواعد میراث" ہے۔ اس کا تاریخی نام «رسم الفرائض» [۱۴۲۲ھ] ہے۔ کتاب معلومات افزا ہے، اس میں سوالات و تمرینات بھی ہیں، اس سے کتاب کی درسی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ ۲۰۰۲ء میں مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوئی ہیں۔

(۴) ایضاحِ حقیقت شرح حقیقت محمدیہ: حقیقت محمدیہ کے مصنف حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین احمد علوی گجراتی قدس سرہ (۹۱۱ھ-۹۹۸ھ/ ۱۵۰۵ء-۱۵۹۰ء) ہیں۔ دسویں صدی ہجری خاکِ ہند کی علمی، دینی، سیاسی اور سماجی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ آپ نسبی طور پر حسینی سید ہیں، تذکرۃ الوجیہ میں آپ کی تصانیف ۶۶/ شمار کرائی ہیں اور مآثر الکرام میں شروح و حواشی کی تعداد ایک سو ستانوے لکھی ہے۔ حقیقت محمدیہ عربی زبان میں تصوف کے موضوع پر متوسط سائز کے ۲۳/ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔

آپ کے شاگردِ رشید علامہ شیخ عبد العزیز خالدی (م ۱۰۳۰ھ) ہیں۔ شارح علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ وجیہ الدین علوی کے متن سے علوم و معارف کے دریا بہائے اور زیرِ بحث مسائلِ تصوف کو عشق و معرفت سے نہال کر دیا۔ یہ شرح فارسی میں تھی، عہدِ حاضر میں اس سے استفادہ ایک مشکل امر تھا، مولانا نظام الدین مصباحی گجراتی اور مولانا مقصود احمد مصباحی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور اصل کتاب کے دو قلمی نسخے المجمع الاسلامی مبارک پور کے نام بھیجے، ذمہ داران نے یہ دونوں نسخے حضرت مترجم علیہ الرحمہ کے حوالے کیے، حضرت مترجم نے اپنی فکری اور قلمی صلاحیت کا بھرپور استعمال کیا اور ایک وقیع ترجمہ منظرِ عام پر آگیا۔

حضرت مترجم ترجمے کے پیشِ لفظ میں لکھتے ہیں:

> "مخطوطہ نسخے پر کام کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے، یہ بات اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ بہر حال اس وادی میں قدم رکھا اور کرم نواز حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ و ڈائریکٹر المجمع الاسلامی مبارک پور سے اصلاحات لیتا رہا اور ان کی رہ نمائی میں کام آگے بڑھتا رہا۔ اب ترجمہ، تعلیق، تحقیق، تقدیم، تحشیہ کے بعد کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اہلِ علم سے کریمانہ توقعات وابستہ ہیں۔"

حضرت مترجم مزید لکھتے ہیں:

> "ترجمۂ کتاب کے ساتھ ہم نے جابہ جا کچھ مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے، بعض مقامات پر اصل مراجع کی طرف رجوع کر کے تصحیح کی گئی ہے۔ شرح میں مذکور کتاب اور مصنفین کا مختصر تعارف بھی لکھ دیا ہے۔ البتہ کمپوزنگ کی آسانی کے لیے حواشی کو کتاب کے

اخیر میں کر دیا گیا ہے۔ متن و شرح کے مضامین کی ایک تفصیلی فہرست بھی بنا دی ہے۔" (پیش لفظ ایضاح حقیقت، ص:۴،۵)
۳۰۴ صفحات پر مشتمل یہ علمی کتاب اپیل ۲۰۱۰ء میں المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور نے شائع کی ہے۔

(۵) بہارِ جاوداں حاشیہ گلستاں: شیخ شرف الدین سعدی ابن عبد اللہ شیرازی (م ۶۹۱ھ/ ۱۲۹۲ء) فارسی زبان و ادب کے شہرۂ آفاق شاعر اور نثر نگار تھے، آپ کی تحریروں کو عوام و خواص میں حد درجہ مقبولیت حاصل ہوئی، گلستاں بھی ان کی دیگر کتب کی طرح جادو بیانی اور فصاحت و بلاغت کا مرقع ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ آپ کی گلستاں اور بوستاں کو مدارس اسلامیہ میں داخل، نصاب کیا گیا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ یہ خوب صورت سلسلہ آج تک جاری ہے۔

مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ نے اس کا بھی ایک حاشیہ بنام بہارِ جاوداں تحریر فرمایا، حاشیہ نگاری کی تاریخ تکمیل ۲۰/ رمضان ۱۴۲۴ھ/ ۱۶/ نومبر ۲۰۰۳ء ہے۔ یہ فصیح و بلیغ اور جامع حاشیہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۵) ضوفشاں حاشیہ بوستاں: حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی یہ کتاب بھی انتہائی معروف اور مقبول ہے، یہ بھی صدیوں سے مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ فارسی منظوم ادب کی اس کتاب پر بھی گلستاں کی طرح بہت کام ہوا ہے۔ مولانا نصر اللہ رضوی نے اس کا بھی خوب صورت اور جامع حاشیہ نوٹ فرمایا ہے۔ یہ بھی مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے شائع کر دیا ہے۔ حاشیہ ضوفشاں کی اولین اشاعت شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ/ ستمبر ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔

مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ نے ان دونوں حواشی کی کچھ خصوصیات نوٹ فرمائی ہیں۔ ہم ان کی تلخیص ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

حاشیہ آسان اور بامحاورہ ہے۔ مشکل الفاظ کی تشریح، تراکیب کی توضیح اور اعلام و واقعات بھی تاریخ کی روشنی میں قید و بند کے ساتھ نوٹ کیے گئے ہیں۔ نسخوں کے اختلاف اور الحاقی اشعار کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ ان دونوں حواشی میں معتبر کتب لغات اور مستند کتب سیر و تاریخ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ مرادفات بھی ذکر کر دیے ہیں۔

حضرت محشی نے ضوفشاں کے آخر میں درج ذیل عبارت نوٹ کی ہے۔

"للہ الحمد والمنہ کہ ۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۲/ مئی ۲۰۰۵ء، بہ شب پنج شنبہ ایک بجے اس حاشیہ نگاری سے میں فارغ ہوا۔"

مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ ۱۹۶۹ء میں تاج دارِ اہلِ سنت مفتی اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری رضوی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے اور انھیں کی ہدایات کی روشنی میں معمولات حیات کا رخ متعین کیا۔

مولانا نے دوبار حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ پہلا سفر حج ۱۹۹۸ء میں اور دوسرا ۲۱/ دسمبر ۲۰۰۶ء میں کیا، دونوں کے حوالے سے بہت سی باتیں بیان فرماتے تھے۔

۷/ نومبر ۲۰۱۳ء کو آپ مدرسہ ضیاء العلوم محمد آباد سے متعلقہ کاغذات اور کتابیں لے کر گھر گئے، ارادہ تھا کہ ان فقہی مضامین کو مبیضہ کر لیں گے، جمعہ کے دن بعد نماز عشا کچھ طبیعت ناساز ہوئی، سانس لینے میں تکلیف ہونے لگی، صاحب زادگان انھیں لے کر محمد آباد ڈاکٹر کے پاس گئے، مگر انھوں نے اعظم گڑھ ریفر کر دیا، ڈاکٹر امتیاز سے ملاقات نہیں ہوسکی، پھر ایک دوسرے امراض قلب کے ماہر کے پاس پہنچے، ڈاکٹر نے علاج شروع کیا تو صبح کے چار بج چکے تھے۔ صبح چار بج کر ۱۵/ منٹ پر داعیِ اجل کو لبیک کہا اور ایک عالمِ ربانی اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا۔

آپ کا عقد مسنون جناب محمد ہاشم ڈھولنا مئوکی صاحب زادی سے ہوا۔ ۵/ صاحب زادیاں اور چار صاحب زادے ہیں۔ جناب شاہد رضا یزدانی، حامد رضا ناصر، مولانا حافظ شاداب رضا اور مولانا احمد رضا دانش مصباحی۔

مولا تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک کے طفیل حضرت کی اہلیہ محترمہ اور ان بچوں کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے اور مولانا علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔

پیر طریقت حضرت سید شاہ عبید الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان سجادہ نشیں دھاواں شریف ضلع غازی پور کا بھی ۳۰/ نومبر ۲۰۱۳ء کو انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) [تفصیلات آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں]

☆☆☆☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

فرضی قبر کی زیارت، عرس اور فاتحہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک عورت ہے جو جنات سے متاثر ہے، وہ خواب میں دیکھی ہے۔ اس کے کہنے پر شہید بابا کا مزار بنا کر کچھ دنوں سے وہاں پر فاتحہ نیاز، چادر پوشی وغیرہ ہو رہا ہے۔ جب کہ میں اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں، میری عمر ۷۵/۸۰ سال ہے، گاؤں کے کسی بڑے بزرگ یعنی دادا پر دادا سے نہیں سنا گیا کہ یہاں کوئی شہید بابا رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی وہاں جا کر مٹی کے ڈھیر کے پاس کھڑا ہو کر فاتحہ نیاز کرتا ہے تو اس آدمی کے لیے کیا حکم ہے، اس سے سلام، دعا، یا کبھی اس کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے کہ نہیں۔

جنات کے کہنے یا نشان دہی پر مزار بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس عورت کے خواب کا کیا حکم ہے۔

الجواب

جو انسان جن و شیطان سے متاثر ہوتا ہے، جنات اس کے حواس کو بے کار کر کے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور اس سے غلط سلط باتیں بکواتا رہتا ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہو سکتی۔ صورتِ مسئولہ میں اس مدہوش عورت کی بات اور خواب کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں اور جس جگہ کے بارے میں بالیقین یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں کوئی مسلمان مردہ دفن ہے، اس کو کسی بزرگ کی قبر مان کر اس کے ساتھ اصلی قبر کے جیسا معاملہ کرنا یعنی فاتحہ وغیرہ پڑھنا، عرس لگانا اور اس کی زیارت کے لیے جانا شرعًا ناجائز اور ممنوع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

لہٰذا اس مصنوعی اور فرضی قبر کو شہید بابا کا مزار مان کر وہاں عرس لگانا، فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اور فرضی جانتے ہوئے وہاں فاتحہ پڑھنا، زیارت کرنا اشد گناہ ہے۔ ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ الّا یہ کہ ان خرافات سے بیزار ہو کر مجمعِ مسلمین میں توبہ کرے، اس پر قائم رہے، ساتھ ہی جامع شرائطِ امامت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حضرت سید العلما مارہروی کو سید العلما کہنے کی وجہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ:

حضرت مولانا سید آلِ مصطفیٰ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو "سید العلما" کہا جاتا ہے، یہ کس لحاظ سے ہے اور کیا آپ سے پہلے بھی کسی عالم کو یہ لقب دیا گیا ہے۔

الجواب

حضرت مولانا سید آلِ مصطفیٰ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک زبردست عالمِ دین تھے اور اپنے وقت میں بہت سے علما کے سردار، ساتھ ہی سید بھی تھے، ان دونوں مناسبتوں کی وجہ سے علماے کرام نے آپ کو "سید العلما" کہا، آپ سے پہلے امام عبد اللہ بن عون بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی آپ کی جلالتِ علم کی وجہ سے اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا، آپ کا لقب تھا "سید القراء" جس کا معنیٰ "سید العلما" ہے۔ منہاج شرح صحیح مسلم میں ہے:

أمّا ابن عون: فهو الإمام الجليل المجمع على جلالته وورعه عبد الله بن عون بن ارطبان ابو عون البصری كان يسمىٰ سيد القراء أي العلماء، و احواله و مناقبه اكثر من ان تحصر اه.

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للإمام النووي، ص:۱۳، ج:۱ مقدمة الكتاب)

والله تعالىٰ اعلم

جوا بازی مطلقًا حرام و گناہ ہے

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں

زید کا جوئے کا کاروبار ہے، اس سے وہ بچنا چاہتا ہے اور اس کے کاروبار میں اس کو نقصان ہونے کی وجہ سے بازار سے بڑا قرض لینا پڑا، لیکن وہ کاروبار کو بند کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، صرف وہ ادائے قرض کے لیے کاروبار چلا رہا ہے، اگر یہ کاروبار روک دے گا تو اس کے قرض کی ادائیگی نہ ہو سکے گی اور اس کاروبار سے جو وسیع شکل میں منافع آرہا ہے زید اس سے قرض کی بھرپائی کر رہا ہے اس سے اپنی ذات اور اہل وعیال پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتا۔

لہٰذا مذکورہ کاروبار اور اس کی رقم سے قرض کی ادائیگی کا از روے شرع شریف کیا حکم مستحکم ہے؟

الجواب

جوابازی مطلقاً حرام وگناہ ہے، اگرچہ اس سے مقصود قرض کی ادائیگی ہو یا فقرا و مساکین کی مدد ہو یا مساجد و مدارس کی خدمت ہو کہ دوسرے کا مال بلاوجہِ شرعی حاصل کرنا اور اسے کسی تصرف میں لانا حرام وگناہ ہے۔ قرآن مجید میں جوابازی کو مطلقاً حرام اور شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ.

لہٰذا زید فوراً اس ناپاک کاروبار سے الگ ہو جائے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرکے حلال کاروبار اختیار کرے، جن کا مال قرض میں جیتا ہے ان سب کا مال انھیں واپس کرے۔

زید کی سوچ جو سوال میں مذکور ہے، بہت غلط ہے، کیوں کہ قرض ادا کرنے کے لیے جوا کھیلنا چاہتا ہے، حالاں کہ جوئے میں جو کچھ جیت کر اپنے پاس رکھے گا وہ خود اس کے ذمہ صاحبِ مال کا قرض ہو جائے گا اور اس پر فرض ہوگا کہ وہ پوری رقم اس کے مالک کو ادا کرے، اس لیے زید اپنی فکر سے باز آئے، تائب ہو، سب کے حقوق ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم بابا سے جھاڑ پھونک کرانے کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱)-کیا کسی عورت کے جسم میں کوئی صاحبِ مزار بزرگ آکر سوالات کے جوابات دے سکتے ہیں، ان بزرگ کے سوا کوئی مرحوم عورت بھی اسی کے جسم میں آکر سوالوں کے جواب دے سکتی ہے کیا؟

(۲)-کسی مسلم عورت کا نامحرم بابا سے جھاڑ پھونک کے ذریعہ بچہ دانی کا علاج کروانا کیسا ہے؟

(۳)-نمبر (۱) والے سوال میں مذکورہ عورت کہتی ہے کہ اس کے ایک غیر مسلم دوست کو ان صاحبِ مزار بابا نے جو اس کے جسم میں آتے ہیں غلام بنا لیا ہے، وہ عورت اس کے ساتھ دوسرے شہر کے مزارات پر حاضری کے لیے چلی جاتی ہے، کیا اس طرح صاحبِ مزار کا کسی کو غلام بنانا ممکن ہے؟

(۴)-صاحبِ مزار نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اس بچی (عورت کو وہ بچی کہتے ہیں) کا جسم کم زور ہے، شادی کے لائق نہیں ہے، جب کہ اس کی عمر ۳۲/ سال ہے، کیا بابا ایسا کہہ سکتے ہیں؟ ہمارے صوبہ راجستھان انڈیا میں ایسے کئی معاملے ہو رہے ہیں، براے مہربانی اصلاح فرمائیں۔

الجواب

(۱)-مرد یا عورت کے بدن پر شیطان سوار ہو کر اسے خبطی بنا دیتا ہے پھر اس کے دل و دماغ کو اپنے کنٹرول میں کرکے اس کی زبان سے بات کرتا اور لوگوں کے سوالات کے الٹے، سیدھے جواب دیتا ہے اور جھوٹ بول کر اپنے کو کوئی ولی، یا پیر یا شہید یا سید بابا وغیرہ ظاہر کرتا ہے۔ کوئی ولی کسی مرد یا عورت کے جسم میں سرایت نہیں کرتے، نہ اسے مخبوط الحواس کرکے اس کی زبان سے بات کرتے ہیں اور لوگ کسی مخبوط الحواس سے جو کچھ سنتے ہیں وہ یا تو شیطان کا جھوٹ ہوتا ہے یا اس خبطی کا مکر و فریب۔ مسلمان ہرگز اس طرح کے چکر میں نہ پھنسیں، نہ ایسے خبطی لوگوں سے کچھ پوچھیں، نہ ان کی باتوں پر اعتماد کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)-ممنوع ہے اور بابا غیر مسلم ہو تو حرام۔ علمائے دین سے پردے میں رہ کر تعویذ لے سکتی ہے، یا پانی پر دَم کرا سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)-وہ عورت جھوٹی ہے، اس کے گھر کے لوگ اسے کنٹرول کریں اور اپنے یہاں رکھیں، پھر کسی مسلمان سے شادی کرکے اس کے ساتھ رخصت کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)- ہرگز نہیں، عورت کے مکر کو سمجھنے پھر اس سے بچنے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

فکر امروز

اسلامی شناخت........کچھ باتیں

محمد عابد چشتی

سترہویں صدی میں سائنس اور کلیسا کے درمیان کشمکش کی تان کھنچتے کھنچتے خدا سے بغاوت اور الحاد وانکار پر جاکر ٹوٹی اور یہیں سے انسانی برادری ایک نئے زاویہ سے دو خانوں میں تقسیم ہوگئی ,جس میں ایک وہ طبقہ ہے جو مذہب اور مذہبیات پر یقین کرتا ہے اور یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ مذہب پر عمل پیرا رہ کر ہی ایک خوشگوار زندگی گزاری جا سکتی ہے جب کہ دوسرا طبقہ وہ ہے جو مذہب کو فرسودہ اور اس کی روایات وتعلیمات کو آج کی دنیا اور جدید حالات کے تناظر میں قابل عمل وتطبیق ہی نہیں سمجھتا ہے اور نا ہی مذہب اس کی نظر میں کسی مسلمہ حقیقت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ طبقہ اپنی مرضی کے مطابق اجتماعی یا انفرادی طور پر زندگی گزارنے کو ترجیح دیتا ہے جس میں کوئی خارجی دباؤ یا مذہبی قانون کسی صورت میں گوارا نہیں ہے اور اس ردعمل اور مطمح نظر نے اچھے خاصے انسانوں کو کس طرح حیوانیت کی دہلیز پر لاکھڑا کیا ہے آئندہ سطور میں ہم اس کے چند نمونے پیش کریں گے مگر اس سے پہلے ہم یہ بتادیں کہ آنے والے تمام حقائق اور واقعات کے ذریعہ کسی طرح کی اطلاع یا معلومات کی فراہمی کے بجائے ان سے اخذ شدہ کچھ نتائج اور جہتوں پر دعوت فکر دینے کی کوشش کی گئی ہے اس نوجوان نسل کو قوم جن کی مذہبی قیادت کا انتظار کر رہی ہے مگر وہ خود دینی شناخت اور اسلامی تہذیب کو بڑی تیزی کے ساتھ ان غیر ضروری تاویلات کی آڑ میں ترک کر رہے ہیں کہ ،،یہ فرض تھوڑی ہے ،، یا ،،سنت تو چھوڑ سکتے ہیں نا ،، ,جبکہ حقیقت کچھ اور ہے۔اس لیے کہ بات یہاں آکر رکتی ہے کہ جو چیز آپ کے اسلام کی واضح اور نمایاں شناخت ہے اس سے اجتناب کن بنیادوں پر کیا جارہا ہے اور کس زاویہ فکر کے تحت؟ اگر واقعی اس اجتناب کے پیچھے مسائل کی مختلف نوعیت اور اس کے نتیجہ میں احکام میں نرمی وسہولت اور فرق مراتب کا اسلامی تصور پیش نظر ہے تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ جس چیز میں شرع مطہرہ نے نرمی کا گوشہ رکھا ہو ہم اس میں سختی بے جا سے کام لیں مگر یہ اجتناب اگر موڈرن تہذیب ،مغربی کلچر ایکسٹرا فیشن ،اور آس پاس کے فلمی ماحول سے متاثر ہونے کی بنیاد پر ہے تو پھر ہمیں اعتراض ہی نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی فکری تنگی اور مرعوبیت و بے چارگی پر افسوس اور سخت اعتراض بھی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ اپنی تہذیب سے دوری کا سبب مذکورہ بالا امور ہی ہیں ۔خاص کر دلی میں آنے کے بعد اسلامی مدارس سے آنے والے باصلاحیت طلبہ کے اندر جو زبردست بدلاؤ، اور فکری سطحیت دیکھنے کو ملی اس سے ہم نے راست طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اچانک آئے اس تہذیبی بدلاؤ کا محرک مسئلہ کی نوعیت ،فکری بلندی یا وقت کی چاپ سے چاپ ملا کر چلنے کا جذبہ نہیں ہے بلکہ گرد وپیش کے حالات سے مرعوبیت اور خود اعتمادی کی انتہائی کمی اور غلط تاثر کا نتیجہ ہے جس کو چھپانے کے لیے ان کے ذہنوں نے یہ سطحی دلائل ایجاد کیے ہیں ایسے حالات میں تنبیہ اور خود اعتمادی کی اسپرٹ پیدا کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مرعوبیت ہمارے علما اور طلبہ کو کسی اور مرض میں مبتلا کردے۔ مضمون تحریر کرنے کے پیچھے ہمارے عزائم جاننے کے بعد ہم اپنی گفتگو کا سرا تمہید سے جوڑتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں یعنی کہ دنیا میں ان لوگوں کی بھی کثیر تعداد ہے جو مذہب اور مذہبی روایات سے بالاتر ہو کر زندگی گزار رہے ہیں جسے ہم اپنی زبان میں ”من مانی زندگی“ کہہ سکتے ہیں ان کے سوچنے کے انداز اور نظریات بالکل الگ ہیں ان کی تعداد ہمارے ملک کی بنسبت دیگر ممالک میں زیادہ ہے ہاں فکری سپورٹ کرنے والے ہمارے یہاں بھی کچھ کم نہیں ہیں ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن سے اخذ شدہ نتائج کی روشنی میں ہم چند معروضات پیش کریں گے۔

فطرت پرست : مغربی ممالک میں تیزی کے ساتھ پھیلتا یہ ایک گروہ ہے جو اپنے نظریات کو ،،نیچرازم،، کا نام دیتے ہیں یعنی کہ فطرت پرستی اس گروہ کی تاریخ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ ۱۷۷۸ء میں پہلی مرتبہ فرانس میں کچھ مخصوص فکر کے لوگ پیدا ہوئے جن کا مطمح نظر ہم آگے بتائیں گے اور پھر دھیرے دھیرے اس فکر کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی گئیں اور اب امریکہ ،کناڈا، برطانیہ ،جرمنی ،نیوزیلینڈ ،آسٹریلیا ،اسپین جیسے بڑے ممالک میں یہ قدم جما چکے ہیں اس گروہ اور ان کے بانیوں کا ماننا ہے کہ دنیا میں بدامنی ،لوٹ کھسوٹ، اور خاص کر عورتوں پر ہو رہے زنا ،چھیڑ خانی وغیرہ مظالم کی بنیادی وجہ فطرت سے روگردانی ہے جس میں کپڑوں کو خاص طور سے فوکس کیا گیا ہے کہ کپڑے پہننے کی وجہ سے لڑکیوں کے ساتھ زبردستی زنا کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں کپڑے وغیرہ کا معاملہ ختم کر کے اسی طرح زندگی گزارنا چاہیے جس

طرح ہمارے خالق نے ہمیں دنیا میں بھیجا ہے یعنی اس گروہ کے نزدیک فطرت سے روگردانی کی دوسری تعبیر "کپڑے پہننا ہے" اوراس فکر کے نتیجہ میں ان لوگوں نے اپنی ایک الگ دنیا بسائی ہے جہاں پیدائشی بچوں سے لے کر ۲۰/سال کے جوان لڑکے، لڑکیاں اور بوڑھے مرد و عورت سبھی برہنہ رہتے ہیں اور ہمیشہ رہتے ہیں ان کے کاروبار بازار، کلب، ہسپتال، وغیرہ اسی حالت میں چل رہے ہیں۔ ڈاکٹر اور مریض، بائع و مشتری سب مادر زاد برہنہ ہی رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے اپنے گاؤں اور قصبات ہیں جس کی سرحد پر "clothe prohibited" یعنی کپڑے پہننا ممنوع ہے کا بورڈ آویزاں رہتا ہے اتنا ہی نہیں اس گروہ کی باقاعدہ تنظیم بھی ہے جو مسلسل اس فکر کو عام کرنے میں لگی ہوئی ہے خیر بتانا یہ ہے کہ اپنے مخصوص نظریات کے ساتھ یہ لوگ عام طور سے خوشی سے رہ رہے ہیں اور انہیں فی الحال اپنی زندگی سے کوئی شکوہ وشکایت نہیں ہے

ہم جنس پرست: یہ بھی ہماری سوسائٹی میں ہی رہنے بسنے والے وہ لوگ ہیں جن کی سوچ عام انسانوں کی سوچ سے بالکل مختلف ہے ان کا ماننا ہے کہ جنسی رابطوں کے لیے اگر دو ہم جنس تعلقات بنانا چاہیں تو انہیں بھی اس کی اجازت ہونی چاہیے ان کی تعداد تو بہت کم ہے مگر آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ سال پہلے انہوں نے اس فعل کی منظوری کے لیے وبال کر دیا تھا اور سرکار کو دستور ہند میں دوبارہ غور کرنے پر مجبور کر دیا تھا فی الحال ہندوستان کے متعلق تو مجھے نہیں معلوم مگر دیگر بہت سے ممالک میں ان لوگوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے اور مرد مرد کے ساتھ اور عورت عورت کے ساتھ شادی کرکے رہ رہے ہیں۔ حیرانی ہوگی کہ خود براک حسین اوباما اسی نظریہ کے حامی ہیں اور اس کی زبردست طرف داری کرتے ہیں یہ لوگ بھی بظاہر خوشی کے ساتھ آپس میں رہ رہے ہیں کام کر رہے ہیں بزنس چلا رہے ہیں اور اپنی صلاحیت کے مطابق مختلف شعبوں سے جڑے ہوئے ہیں۔

تبدیلی جنس: تبدیلِ جنس کو اپنا حق کہنے اور کرنے والوں کی بھی اپنی دنیا ہے جہاں لڑکی اپنی دوشیزگی اور لڑکا اپنی مردانگی سے راضی نہیں ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے اندر ہونے والے جنسی احساسات کو پرکھنے کے لیے اپنی جنس کی تبدیلی کرا رہے ہیں اور اس غیر فطری عمل کے لیے قانونی اجازت حاصل ہے کہ اگر کوئی اپنی مرضی سے یہ کام کرنا چاہتا ہے تو کسی تیسرے کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ان کی تعداد میرے خیال سے کم ہی ہوگی مگر جتنی ہوگی بہر حال ہمارے درمیان اور سوسائٹی کا حصہ بن کر ہی رہ رہے ہوں گے معاشرہ سے کٹ کر رہنا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔

ہماری اپنی ہی دنیا میں رہنے والے کئی طرح کے افراد کا تذکرہ اختصار کے ساتھ ہم نے کیا ہے جن میں سے کچھ لوگوں سے آپ خود بھی پہلے سے واقف ہوں گے اور ہو سکتا ہے ان کے علاوہ اور بھی ایسے لوگوں کو جانتے ہوں جن کے متعلق ابھی تک ہمیں معلوم نہ ہو مگر ہم نے ان کا تذکرہ ان کے تعارف کے لیے نہیں کیا ہے اور نہ ہی ہمارا یہ مقصود ہے بلکہ ہم ان افراد کی جدوجہد اور زندگی سے کچھ ایسے پہلوؤں کو چھیڑنا چاہتے ہیں جو ہمارے اندر اپنی تہذیب وثقافت، کلچر اور سب سے اہم دینی شعائر کے ساتھ ہماری محبت اور اس کے احیائے جدید کا جوش و جذبہ پیدا کر دیں یعنی نہ صرف یہ کہ ہم اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھیں بلکہ اس شناخت کے ساتھ خود اعتمادی کی ایک عالم گیر مہم چھیڑیں جس کا آغاز آپ سے اور ہم سے ہونا ہے، در اصل مذکورہ بالا نظریات کے حامل لوگ ہماری اپنی دنیا کے ہی افراد ہیں، مریخ یا کسی دوسرے سیارے سے آنے والے نہیں ہیں۔ ان لوگوں کے اس طرز حیات اور پوری زندگی کا سب سے اہم پہلو "خود اعتمادی" اور اپنے نظریات سے محبت و حد درجہ دل چسپی ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ انہوں نے پہلے ایک نظریہ قائم کیا اور پھر یہ یقین کر لیا کہ ہم جس مطمح نظر کو اپنانا چاہتے ہیں ہمارے معاشرہ اور زندگی کے لیے بہتر ہوگا اور نہ صرف اس کے مطابق خود کو بدل دیا بلکہ پوری دنیا میں اپنی فکری نہج پر استوار انقلاب دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی کوششیں اور جدوجہد اس کا واضح ثبوت فراہم کر رہی ہیں، اور پھر فطرت سے بغاوت کے باوجود انھوں نے اپنی تہذیب میں خود اعتمادی کا وہ نمونہ پیش کیا اور کر رہی ہیں کہ ہزار اختلاف اور لعنت کے باوجود کم سے کم نفسِ خود اعتمادی تو لائقِ تحسین کہی جا سکتی ہے جس سے ہمیں ہوش کے ناخن لینا چاہیے کہ ان لوگوں کی تعداد اگر فیصد میں جوڑی جائے تو ہو سکتا ہے پوائنٹ کے بعد ہی دو تین نمبر [۰.۳٪] کا تناسب ہو مگر یہ مٹھی بھر لوگ ساری دنیا کے عام روش اور نظریات، طرز معاشرت سے ہٹ کر سینہ تانے اپنی الگ اور منفرد تہذیب لیے دنیا کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر شوق سے جی رہے ہیں، انہیں یہ بھی معلوم ہے اور بخوبی معلوم ہے کہ عام لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے ہیں اور ہمارے اوپر در پردہ ہنستے بھی ہیں مگر وہ کسی کے دباؤ کے تحت جینے کے بجائے اپنی زندگی خود اپنی مرضی کے مطابق جینا چاہتے ہیں اور جی رہے ہیں "فطرت پرست" مادر زاد برہنہ ہو کر اپنی بستیوں میں رہ رہے ہیں اور بلا جھجھک اسی حالت میں اسکرین پر آتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ روش بالکل صحیح ہے لہٰذا شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم جنس پرست شادیاں رچا رہے ہیں اور یہی حال جنس تبدیل کرنے والوں کا ہے۔ یہاں ایک اور نقطہ کی طرف اشارہ کرتا چلوں کہ ان سب سے معاشرہ میں اچھوتوں کی طرح کوئی معاملہ نہیں ہو رہا ہے کہ کمپنیاں انہیں لینے سے انکار کر رہی ہوں لوگ ان سے دور رہتے ہوں اور تنفر کرتے ہوں یا ان کے ساتھ کچھ امتیازی معاملہ برتا جاتا ہو، نہیں بلکہ ان سب میں ہر ایک جس شعبہ کا ماہر ہے کمپنیاں اور ادارے اپنے عام اصولوں کے مطابق انہیں اپنے یہاں جگہ دے رہی ہیں، جس کا بالکل واضح نتیجہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں شخصی احوال، ذاتی نظریات اور لباس و پہناوے کو دیکھنے کے بجائے آپ کے اندر کی صلاحیت اور کارکردگی کو مد نظر رکھا جا رہا ہے اگر یہ

بات نہ ہوتی تو مشہور کرکٹر "ہاشم آملہ اور پاکستانی نژاد معین علی" جیسے نوجوان ایک ایک ہاتھ کی داڑھی رکھ کر عالمی منظر نامہ پر نہیں چھا سکتے تھے اور نہ ہی ان کی مذہب پسندی انہیں عام مقبولیت دلا سکتی تھی مگر معاملہ اس کے برعکس ہے وہ اپنی مخصوص شناخت کے ساتھ صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور پوری دنیا ان کے حلیہ سے قطع نظر صلاحیتوں کی داد دے رہی ہے اور لاکھوں کی تعداد میں ان کے چاہنے والے موجود ہیں جس میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ موڈرن خیالات والی لڑکیاں بھی ہیں۔

گفتگو کے اس موڑ پر پہنچ کر ہم مسلم نوجوان اور بالخصوص مدارس کے طلبہ کی بارگاہ میں اپنی چند معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ ان پر ایک مرتبہ غور کریں گے اور حقیقت کا سامنا کرتے ہوئے اس فکر کی توسیع میں اپنا تعاون درج کرائیں گی۔

ہمارا لباس اور ہماری وضع قطع وجوب کے دائرے میں آئے یا نہ آئے مگر اتنا تو ضرور ہے کہ یہ مخصوص لباس ہمارے وقار اور عزت کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب، کلچر، شائستگی، سہل پسندی اور صدیوں سے چلی آ رہی شناخت کا امین اور رازدار ہے، لباس ہر قوم کا درپن ہوا کرتا ہے جس میں قوموں کے مزاج و ثقافت کا عکس بالکل صاف نظر آتا ہے اور زندہ قوم وہی ہوتی ہے جو اپنی تہذیبی شناخت کو خود برقرار رکھے اور نئی نسل تک اسے منتقل کرنے کی کوشش کرے جب کہ وہ قومیں جنہوں نے دوسروں سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب سے کنارہ کشی اور دوسروں کے طرزِ عمل کو اپنانا چاہا وہ اکثر دھوبی کا گدھا ثابت ہوئیں اور وہ اپنی تہذیبی شناخت کے ساتھ خود بھی عالمی منظر نامہ سے معدوم ہو گئیں۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس سال تک اسلامی معاشرہ میں دن رات گزارنے کے باوجود صرف چند مہینوں میں جنہیں اپنی شناخت برقرار رکھنا دوبھر پڑا ہوا ہے اور شہروں کی ہواؤں نے جن کے دماغ ماؤف کر کے رکھ دیے ہیں ان سے یہ سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ عمل عقل و خرد سے کہاں تک لگا کھاتا ہے۔ کیا لباس کی تبدیلی اور اسلامی شناخت سے تنفر مستقبل میں کسی عظیم کامیابی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے؟ جس دور میں انسان کے لباس کے بجائے ان کی صلاحیتوں پر نظر رکھی جا رہی ہو وہاں غیروں کی دیکھا دیکھی اپنے لباس میں قطع و برید کیا احمقانہ عمل نہیں ہے؟؟ آج پوری دنیا اپنی مرضی کے مطابق جینے کو ترجیح دیتی ہے وہ وہی کھاتے ہیں جو انہیں پسند ہے اور وہی پہنتے ہیں جو انہیں اچھا لگتا ہے، مگر آخر ترقی کا وہ کون سا ایسا نسخہ ہمارے ہاتھ لگ گیا جس کا پہلا فارمولہ دوسرے کی بے جا تقلید سے شروع ہوتا ہے؟ فطرت سے بغاوت اور عام انسانی اصولوں کے برخلاف کوئی برہنہ رہ رہا ہے اور اگر اپنے گرد و پیش میں دیکھ لیں تو فیشن کے نام پر پھٹے پینٹ، بے ہودہ جانور کٹ بال، کانوں کی بالیاں پہنے اکثر نوجوان دیکھنے کو ملیں گے جن کے پاس اپنی تاویلیں ہیں مگر ہم ہیں کہ ایک ٹوپی اور کرتا جو بہر حال احترام کی نگاہ ہی سے دیکھا جاتا ہے پہننے میں ہچکچا رہے ہیں اور خواہ مخواہ کے دلائل دیے جا رہے ہیں اور خود اعتمادی سے کوسوں دور دوسروں کا "تہذیبی اترن" پسند کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھ رہے ہیں کہ اترن کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو کمتری کا احساس ہمیشہ دلاتا رہتا ہے۔ کیا ہمارے لباس کو دقیانوسیت کی علامت کہہ کر ہنسنے والوں کے لیے ہمارے ذہن نے ابھی تک کوئی معقول جواب نہیں سوچا ہے کہ نوبت خود اپنی تہذیب سے تنفر تک جا پہنچی؟ ایک دو مثالیں اور ملاحظہ کریں: "بابا رام دیو مشہور یوگا گرو" اپنی لال دھوتی اور ایک کپڑا پہن کر پوری دنیا کا سفر کر آتے ہیں، پی چدمبرم دھوتی اور شرٹ کا بے ہنگم لباس پہن کر کیبنٹ میں آکر بیٹھتے ہیں، وزیر اعظم منموہن سنگھ اپنی قومی شناخت کے ساتھ عالمی میٹنگ میں شرکت کرتے ہیں تو کیا ہم ٹوپی کرتہ اور اسلامی شناخت کے ساتھ کسی کالج یا یونیورسٹی میں نہیں پڑھ سکتے؟؟ پڑھ سکتے ہیں اور ضرور پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بہت سے طلبہ اسی تہذیب کو گلے لگائے زیر تعلیم ہیں اور اپنوں اور بیگانوں میں یکساں مقبول ہیں اس لیے کہ وہ زمانہ کے مزاج کو بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ اب ہوا کا رخ کدھر ہے، دراصل ہم ان باتوں پر زور صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ آج گلوبلائزیشن کے نام پر ساری دنیا کو ایک تہذیب میں رنگنے کی سازش کئی دہائیوں سے کی جا رہی ہے world order new کی اصطلاح بھی اسی پیش قدمی کی نئی صورت ہے۔ ایسے میں ہماری اپنی ہی شناخت اور تہذیب سے روگردانی درحقیقت اسلام مخالف فکر کو تقویت پہچانے کے مترادف ہے جس کی امید کم سے کم مدارس کے طلبہ سے تو نہیں کی جا سکتی ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ساری دنیا میں اسلامی تہذیب کا انقلاب آئے خاص کر مسلم سماج مغربی کلچر اور طرز معاشرت کو چھوڑ کر اپنی اسلامی وضع قطع اپنائیں، لباس سے لے کر ہر پہلو سے اسلام پسند ہوں اور نئی نسل تک ہماری ثقافت کی خوشبو پہنچے تو اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں ہی آغاز کرنا ہوگا اور زبردست خود اعتمادی کے ساتھ۔ سنت و واجب سمجھ کر نہ سہی کم از کم محض اپنی وراثت سمجھ کر ہمیں اس شناخت سے محبت کرنی ہوگی۔ موہن داس کرم چندر گاندھی یعنی بابائے قوم گاندھی جی نے کہا تھا کہ۔

"جس انقلاب کو تم دنیا میں دیکھنا چاہتے ہو پہلے خود وہ انقلاب بن جاؤ۔"

میں پورے احترام کے ساتھ آواز دیتا ہوں اپنے ان طلبہ کو جن کو مدرسہ کی آب و ہوا نے نکھارا ہے اور بزرگوں کے سایہ عاطفت میں جنہوں نے شعور و آگہی کی دہلیز پر قدم رکھا ہے کہ دنیا کا کیا کوئی ایسا شعبہ نہیں جسے آپ سر نہیں کر سکتے۔ آگے آئیے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیجئے اور دنیا کے حالات اور قوموں کی روش سے اگر متاثر ہونا ہی ہے تو پہلے ان کی خود اعتمادی سے متاثر ہوئیے اور اپنی شناخت میں تصلب اور نئی روح پیدا کیجیے۔ میرا یقین ہے کہ آنے والی نسل تمھیں اپنا آئیڈیل بنانے میں فخر محسوس کرے گی ****

متاعِ وقت اور کاروانِ حیات

مولانا محمد فروغ القادری

وقت انسانی زندگی کا سب سے اہم اور قیمتی سرمایہ ہے، اور اللہ جل شانہ کی عطا کردہ نعمتوں میں ایک عظیم نعمت ہے جس کی ناقدری اور ناشکری کے باعث آج امتِ مسلمہ اجتماعی زوال کا شکار ہے۔ وقت جو درحقیقت ازمنۂ ثلاثہ ماضی، حال اور مستقل کا نام ہے۔ اس کی قدر وقیمت کو جاننا اور اس کو کام میں لاکر قیمتی اور کارساز بنانا انسانی زندگی کا وہ عظیم مسئلہ ہے جس کا احساس اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہر ایک کو ہے۔ تاہم اس بیش بہا خزانے کو صحیح استعمال کر کے خود کو مایوس کن اندھیروں سے باہر نکالنے کے تعلق سے ہماری اکثریت غفلت کا شکار ہے۔ تاریخی تناظر میں اگر دیکھا جائے تو یہاں وہی لوگ کامیاب ہوئے جنھوں نے اپنی انفرادی یا اجتماعی زندگیوں میں وقت کی قدر وقیمت کا لحاظ رکھا، اس کا صحیح اور بروقت استعمال کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جو آگے چل کر اپنے عزائم اور ارادوں میں کامیاب ہوئے اور آفاق وانفس کی وسعتوں میں اپنے لازوال کارنامہ ہائے حیات کے نقش ونگار چھوڑ گئے۔

وقت مہلتِ عمل کا نام ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے نہ اس میں شر ہے اور نہ خیر۔ البتہ وقت کے اندر ادا کیے گئے عمل کی نوعیت کے اعتبار سے اس کے خیر وشر کا تعین کیا جائے گا، جن شخصیات نے بھی دین یا دنیا سے متعلق نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں ان کی صفاتِ حسنہ میں سب سے اہم وصف وقت کی قدر دانی ہے، یہی وصف تمام تر ترقیات کی اساس ہے، دنیوی زندگی میں ملنے والا وقت در اصل ایک نعمتِ بے بدل ہے۔ آخرت میں اسی وقت کی کمائی کھائی جاسکے گی، لیکن آخرت کا وقت کسب و ترقی کا محل نہ بن سکے گا۔ خوش نصیبی کی نمایاں علامت یہی ہے کہ آدمی اپنی دنیوی زندگی میں وقت کا صحیح استعمال کرے اور اسے درجۂ معقولیت اور اولوالعزمی کے ساتھ نبھائے۔

مشہور فرانسیسی فلسفی اور ادیب "وولٹائر" اپنی گراں قدر تصنیف میں وقت کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "وقت سے زیادہ طویل چیز کوئی اور نہیں، کیوں کہ یہ وقت ابدیت کا پیمانہ ہے اور اس سے زیادہ مختصر کوئی شے نہیں کیوں کہ یہ ہمارے منصوبوں، آرزوؤں، امنگوں اور حوصلوں کی تکمیل کے لیے ہمیشہ ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں، اس کے لیے جو کسی امید وانتظار میں ہو۔ اس سے زیادہ تیز رفتار کوئی شے نہیں اس کے لیے جو مسرت وخوشی کے لمحات میں ہو، یہ اپنی طوالت میں ابدیت تک جا پہنچتا ہے اور اپنے اقتصارِ عمل میں ایک سیکنڈ کے ہزاروں درجے کیا بلکہ کروڑوں اربوں حصے میں بھی تقسیم ہوسکتا ہے، ہر شخص اسے نظر انداز کرتا ہے اور سب ہی اس کے ضائع ہونے پر افسوس بھی کرتے ہیں۔ وقت کے بغیر کچھ نہیں کیا جاسکتا، یہ ہر معمولی واقعہ کو آئندہ نسل میں منتقل ہونے سے قبل ہی اسے طاق نسیاں کے حوالے کر دیتا ہے، اور ہر ایسے عمل کو لافانی بنا دیتا ہے جو واقعی عظیم ہو۔

تاریخ میں ہمیشہ نام ور اقوام نے وقت کی قدر وقیمت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ خاص طور سے مسلم قوم، جو ایک درخشاں تاریخ رکھتی ہے، اور جس کے جاہ وجلال اور عظمت وسطوت کے پرچم صدیوں سے سربلند رہے ہیں۔ وقت کی قدر ان کے مذہبی فرائض میں شامل اور ان کی تاریخی خصوصیات کا جزوِ لاینفک رہی ہے۔ وہ قوم جو صدیوں تک دنیا پر چھائی رہی، علم وحکمت اور جہانگیری وجہاں داری کے میدانوں میں ان کا غلبہ رہا۔ ان کے علم ودانش کی درس گاہوں میں بھی وقت کی اہمیت کا ادراک رکھنے والے حساس دل مدرسین کی ایک جماعت موجود تھی۔ جنھیں ہر لمحہ اس بات کا اندازہ تھا کہ شخصیت کی تاریخ وترقی میں پابندیِ اوقات کا نمایاں عمل موجود ہے۔

والوقت انفس ما عنیت بحفظه
واراه اسهل ما علیك یضیع

یعنی وقت ایک نفیس ترین شے ہے، جس کی حفاظت کا تمھیں مکلف بنایا گیا ہے، جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہی چیز تمھارے پاس

سب سے زیادہ آسانی سے ضائع ہو رہی ہے۔

وقت اللہ جل شانہ کی عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے، جو ہر کے لیے یکساں موقع فراہم کرتی ہے، بلا شبہہ مسلم معاشرہ اس وقت مجموعی طور پر جن مصائب کا شکار ہے ان میں کہیں نہ کہیں ان کے تضییع اوقات کی عادت مذمومہ کار فرما ہے۔ جب کہ یورپی معاشرہ اپنی تمام ترخامیوں کے باوجود وقت کا قدر دان ہے۔ اور زندگی کو ایک باضابطہ نظام کے تحت گزارنے کا پابند ہے۔ علم وفن اور سائنس وٹکنالوجی میں ان کی ترقی کا ایک بڑا سبب وقت کا صحیح استعمال ہے۔ جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں وہ صحرا کو گلشن میں تبدیل کرسکتی ہیں۔ وہ فضاؤں کو مسخر کرسکتی ہیں، سمندروں کا سینہ چیر سکتی ہیں، ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، ان کے ہاتھوں میں زمانے کی قیادت ہوتی ہے، لیکن جو قومیں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، عرصۂ کائنات میں جو قومیں محکوم بن جاتی ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے قصداً وقت کے عظیم سرمائے کو ضائع کر دیا تھا۔ جو قومیں وقت کو ضائع کرتی ہیں وقت انھیں ضائع کر دیتا ہے۔ وقت کا ضیاع ان کے ہاتھوں میں کشکول گدائی تھما دیتا ہے، آج عرب دنیا کا حال اس سے قطعی مختلف نہیں۔ اگر ہم روزانہ صرف ایک گھنٹے حصول علم کے لیے وقف کر دیں تو دس سال میں ایک حد تک باخبر عالم بن سکتے ہیں۔ اگر روزانہ ایک کتاب کے دس صفحات کا مطالعہ کر لیں تو سال بھر میں ساڑھے سات ہزار صفحات پڑھ سکتے ہیں، لیکن ہم نے وقت کی قدر نہ کی، ہم خوابِ غفلت میں پڑے اس بیش بہا دولت کو اندھا دھند لٹایا، چناں چہ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اسے لٹاتے لٹاتے ہم خود لٹ گئے۔ ہمارا سرمایۂ حیات لٹ گیا اور زندگی کے میدان میں دوسری قوموں کے مد مقابل ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ صدیوں کی عملی وفکری امامت ہم سے چھن گئی، جس کے نتیجے میں ہماری درس گاہیں ایسے علما، حکما اور معلمین سے خالی ہو گئیں جو سائنس، ٹیکنالوجی، اخلاقیات ومعاشیات، اکتشافات وایجادات اور دیگر جدید علوم وفنون کے حوالے سے مرتبۂ اختصاص پر جلوہ گر تھے۔

علامہ ابن جوزی نے ابو الوفا ابن عقیل کے بارے میں لکھا ہے کہ ”اللہ کے اس بندے نے اسّی (۸۰) علوم وفنون میں مختلف موضوعات پر کئی سو کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی ایک کتاب آٹھ سو جلدوں میں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دنیا میں لکھی جانے والی کتابوں میں یہ سب سے بڑی کتاب ہے۔ جب کہ خود علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اسلامی علوم وفنون میں سے تقریبًا ہر موضوع پر اپنی گراں قدر تصنیف چھوڑی ہے۔ مشہور ہے کہ ان کے آخری غسل کے واسطے پانی گرم کرنے کے لیے وہ برادہ کافی ہو گیا تھا جو صرف احادیث نبویہ لکھتے ہوئے قلم کے تراشے میں جمع ہو گیا تھا۔ حضرت امام غزالی نے اٹھہتر (۷۸) اصلاحی، علمی اور تحقیقی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں صرف ”یاقوت التاویل“ چالیس جلدوں میں ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ سیدنا امام غزالی کی تصنیفات کے ساتھ جو دل چسپی اور اعتنا یورپ نے پیش کی ہے وہ مسلمانوں نے نہیں کی۔ بلا شبہہ مسلمانوں نے ان کی اکثر تصانیف محفوظ رکھیں، ان پر شروح وحواشی لکھے، ان کی اشاعت کا اہتمام کیا، لیکن یہ التفات وقدر دانی ان تصنیفات کے ساتھ محدود رہی جو فقہ، اصول فقہ اور تصوف واخلاق سے متعلق تھیں۔ تاہم عقلیات میں جو ان کی معرکہ آرا تصانیف ہیں اور جہاں آکر ان کا اصلی جوہر کھلتا ہے، ان کو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ بلکہ اس قسم کے کاموں کو ہمارے علما ان کی طرف منسوب بھی نہیں ہونے دیتے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی کتب خانوں میں ان تصنیفات کا بہت کم پتہ چلتا ہے، برخلاف اس کے یورپ نے انھیں کتابوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا، جن میں سیدنا امام غزالی نے فلسفہ اور شریعت کے اصول میں باہم تطبیق دی تھی۔ جن میں عقلیات کے مسائل کو انھوں نے خاص پیرائے میں ادا کیا تھا۔ معقولات سے متعلق ضمناً ان کی چند اہم تصانیف کا تذکرہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) مقاصد الفلاسفہ: سیدنا امام غزالی نے یونانی فلسفہ کے مسائل نہایت ہی ترتیب وعمدگی کے ساتھ ایک کتاب میں لکھے تھے، جس کا نام مقاصد الفلاسفہ رکھا تھا۔ اس کتاب کا اسلامی ممالک میں آج پتہ نہیں چلتا، لیکن اسپین کے شاہی کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ مسلمانوں نے تو نظر انداز کر دیا، لیکن یورپ میں اس کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ چناں چہ یہ ترجمہ فرانس کے کتب خانے میں آج بھی موجود ہے۔

(۲) المنقذ من الضلال: اس کتاب میں امام غزالی نے تفصیل کے ساتھ اپنے خیالاتِ مذہبی کے تغیرات، نبوت اور ضرورت نبوت پر بحث فرمائی ہے۔ یہ کتاب بھی عالم اسلام میں دستیاب نہیں ہے۔ لیکن یورپ نے اس کی بے حد قدر دانی کی۔ فرانس میں اس کا فرنچ ترجمہ مع اصلی عربی عبارت کے شائع ہوا ہے۔ اور مقامِ حیرت یہ ہے کہ ایک مغربی مفکر نے اس کتاب کے مشکل مقامات کی تشریح لکھی ہے۔

(۳) تہافۃ الفلاسفہ: اس کتاب میں سیدنا امام غزالی نے فلسفۂ

یونان کے مسائل کا نہایت ہی وقیع دلائل کے ساتھ رد و ابطال کیا ہے۔ فرنچ اور انگلش دونوں زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ لندن اور فرانس دونوں جگہ یہ کتاب دستیاب ہے۔

(۴) معیارِ علم: فنِ منطق میں سیدنا امام غزالی کی ایک اور اہم ترین تصنیف ہے۔ اسلامی ممالک میں یہ کتاب بالکل نایاب ہے، تاہم یورپی اربابِ علم ودانش نے اسے حد درجہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور یہ کتاب اپنے اصل متن کے ساتھ فرانس سے شائع ہو چکی ہے۔ تہافتہ الفلاسفہ اور معیار العلم، دونوں کتابیں فرانس کے عظیم اسلامی کتب خانے سے خرید کر میں اپنے استاذ گرامی جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی شبیر حسن بستوی رضوی ادام المولیٰ فضلہ شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد یوپی کی خدمت بابرکت میں پیش کر چکا ہوں۔

مشہور فلسفی اور طبیب ابنِ سینا کی مختلف تصانیف میں سے "الحاصل والحصول" ۲۰؍ جلدوں میں، ایسے ہی "الانصاف" ۲۰؍ جلدوں میں، "الشفا" ۱۸؍ جلدوں میں اور لسان العرب ۱۰؍ جلدوں میں ہے۔ یوں ہی ابن سینا کی دوسری اہم تصانیف کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ مذکورہ تصانیف کے بیش تر حصے یہاں لندن کی سینٹرل لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ایسے ہی آخری تاج دار اودھ نواب واجد علی شاہ جنھیں فنِ تعمیر، جام ومینا اور دنیوی عیش وعشرت سے جہاں دلچسپی تھی وہیں علم وادب اور فنِ شاعری سے بھی انھیں خاصا لگاؤ تھا۔ اپنا تخلص اختر رکھتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کے عہدِ سلطنت ۱۸۴۷ء میں اس زمانے کے اہم شعرا ان کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے۔ میر ظفر علی اسیر، نواب فتح الدولہ برق، امانت، قلق، بحر، سحر، ذکی، درخشاں، قبول، شفق، بے خود، اصغر، عطارد اور سرور یہ ان کے درباری شعرا میں شامل تھے۔ نواب واجد علی شاہ نے اپنی زندگی میں لوح وقلم سے وابستگی بھی رکھی اور مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی بھی کی ہے۔ جن میں قصائد، غزلیات، مثنویاں، مرثیہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ شیوع فیض، قمر مضمون، سخنِ اشرف، گل دستۂ عاشقاں، ماہ ملک اور نظم نامور یہ چھ کتابیں ان کے دیوان میں شامل ہیں۔ ایسے ہی ان کی دیگر اہم تصانیف میں ذیل کی کتابوں کو اپنے دور میں حد درجہ شہرت ملی، ان کے اسما ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اردو و فارسی قصائد کا مجموعہ موسوم بہ قصائدِ مبارک (۲) مباحثہ بین النفس والعقل (۳) نصائح اختری (۵) عشق نامہ (۶) دفترِ پریشاں (۷) مقتل معتبر (۸) دستور واجدی در سیاست مدن (۹) صوت المبارک (۱۰) جوہر عروض (۱۱) ارشاد خاقانی۔ (آخری دو کتابیں علمِ عروض میں ہیں)

مجھے اس کا علم قطعی نہیں کہ مذکورہ کتابوں کے نسخے لکھنؤ، حیدر آباد، دہلی اور کلکتہ کے قدیم کتب خانوں میں دستیاب ہیں کہ نہیں تاہم ان تمام کتابوں کا قلمی نسخہ یہاں لندن کے البرٹ میوزیم لائبریری میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اسی طرح سلطان ٹیپو شہید اور ان کے والد حیدر علی کی بے شمار کتابیں یہاں انگریز ہندوستان سے لے کر آئے جو آج بھی انڈیا آفس لائبریری لندن میں باضابطہ محفوظ ہیں، جو علم، جو فلسفۂ حیات، جو آئینِ جہاں بینی وجہاں بانی ہماری تاریخ کا حصہ تھے، آج ہم اس سے ناآشنا ہیں۔ اور اس سے استفادہ مغربی دنیا کر رہی ہے۔

خلط مبحث کے طور پر یہ باتیں میں نے اس لیے لکھی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ مغرب میں علم اور وقت دونوں کی قدر وقیمت کتنی اہم ہے۔ ہمارے ہاں کتابوں سے دوری، علم اور علما کی ناقدری صرف اس لیے ہے کہ ہماری زندگیوں میں لایعنیت، بے مقصدیت اور تضییع اوقات جیسی مہلک بیماری در آئی ہے۔ جس کے نتیجے میں زمانے کے چیلنجز اور انقلابات سے ہم بے خبر ہیں اور ہم پر موت جیسا سناٹا چھایا ہوا ہے، جو قوم اپنے ہاتھوں میں علم کی شمعِ فروزاں لے کر اٹھی تھی، آج وہی جہالت کے اندھیروں میں گم ہے۔ اور دنیا کا علم دوست مہذب معاشرہ انھیں اپنے ساتھ بٹھانے کو کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام عالمی اسلامی کانفرنسوں میں ہندوستان کے علمائے اہلِ سنت کی کہیں بھی کوئی نمائندگی موجود نہیں ہے، جس کا میں اکثر مشاہدہ کر چکا ہوں۔

۱۸۵۷ء سے لے کر آج تک ہمارا قلمی پیکار علمی مباحثے اور مناظرے کا رخ دیوبندیوں وہابیوں اور فرقِ باطلہ کے خلاف رہا ہے، مگر اسے گردشِ ایام کی ستم ظریفی کہیے یا پھر ہماری ناعاقبت اندیشی کہ اب ہماری ان تمام سرگرمیوں کا تعلق اپنے ہی درون خانہ اختلاف وانتشار سے ہے۔ اگر واقعۃً یہ بات نہ ہوتی تو پھر حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی زید مجدہ جیسے نام ور قلم کار اور محقق کو "عرفان مذہب و مسلک" جیسی کتاب لکھنے کی نوبت ہی نہ آتی، جس کا مخاطب کوئی وہابی یا دیوبندی نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کے لکھنے میں جس قدر دقتِ نظر صرف کی ہے اس کی جگہ کوئی اور اہم کام بھی ہو سکتا تھا۔ تاہم حالات کے جبر نے انھیں مجبور کیا کہ اس سلگتے ہوئے مسئلے پر قلم اٹھایا جائے۔

اس آپسی انتشار نے ہمیں پوری دنیا میں بدنام کر رکھا ہے۔ جو توانائیاں علمی تحقیقات، فقہی بصارت وبصیرت، تحریکی وتنظیمی جدوجہد اور

اکابرینِ اہلِ سنت کے علمی و فکری آثار کی حفاظت پر صرف ہونی چاہیے تھی، آج وہ سب کچھ انھیں غیر ضروری، منفی اور ہلاکت خیز راستوں پر ضائع ہو رہی ہیں۔

یہاں پرسٹن، بولٹن (انگلینڈ) میں چند ہزار کے قریب ہندوستانی گجراتی مسلمان برسوں سے آباد ہیں، بعض دینی پروگراموں میں شرکت کے حوالے سے یہاں میں اکثر جاتا رہتا ہوں۔ مجھے ایک معتبر عالمِ دین نے بتایا کہ یہاں سنی گجراتی مسلمانوں میں کئی ایسے افراد آپ کو ملیں گے جو آپس میں سلام و کلام تک نہیں کرتے، اور وہ صرف اس لیے کہ انھیں ہندوستان کے کسی بڑے عالمِ دین اور مفتی صاحب نے ایک فتویٰ کے ذریعہ بتایا ہے کہ بعض وجوہات کی بنا پر فلاں فلاں شخص کا مسلک صحیح نہیں ہے، اور وہ سنی صحیح العقیدہ نہیں ہیں، بلکہ صلح کلی ہیں۔ اور یہی کچھ ہندوستان میں بھی ان مقتدر علما اور مبلغین کو ''صلح کلی'' کہا جارہا ہے جن کی خدمات احیاے مسلکِ اعلیٰ حضرت اور اشاعتِ دین و سنیت کے حوالے سے کئی دہائیوں پر محیط ہیں۔

اب آپ اندازہ کریں کہ ہم لوگ دنیا کے نقشے پر کہاں کھڑے ہیں؟ وقت کی ناقدری اور زمانے کے تقاضوں سے بے خبری نے ہمیں کہاں سے کہاں تک پہنچادیا ہے۔ ماتم تو یہ ہے کہ اب ہم سے ہمارا احساسِ سود و زیاں بھی رخصت ہو گیا۔ اس وقت ہند و پاک میں جتنے بھی دہشت گرد پکڑے گئے ان میں سب کے سب دیوبندی وہابی ہیں۔ ان کا تعلق براہِ راست انھیں تنظیموں سے ہے، مگر اسے دیوبندی، وہابیوں کے آپسی اتحاد کا نتیجہ کہیے کہ ہند و پاک میں وہاں کے مسلم مسائل کی نمائندگی انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، مقامی حکومت یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس عقیدے کے لوگ دہشت گردی میں ملوث ہیں، تاہم ہر قومی اور سیاسی مسائل میں اہمیت انھیں ہی دی جاتی ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی خانہ جنگیوں اور فتاویٰ bازیوں سے فرصت نہیں۔ یہاں بھی ہم نے وقت کا صحیح ادراک اور زمانے کے تقاضوں سے بچنے کے لیے تدبر کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

وقت کی قدر و قیمت کی کرشمہ سازیاں اگر دیکھنی ہوں تو اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی کی تصنیفات کا جائزہ لیا جائے۔ بلا شبہہ ان کی قلمی نگارشات و کتب کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ مگر افسوس یہ تمام کتابیں اپنی تمام تر متاعِ لوح و قلم کی شہنشاہی کے باوجود الماریوں میں بندامتِ مرحومہ اور عوامِ اہلِ سنت کی بے توجہی پر مرثیہ خواں ہیں۔ ناخنِ گرہ کشا کی منت پذیری کے لیے میں وہ کمالِ ہنر کہاں سے لاؤں؟ اعلیٰ حضرت کے شیدائیوں پر ان کے امام کا ایک بڑا قرض ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ کتابیں اپنے اشاعتی مرحلوں سے گزر کر منظرِ عام پر آئیں۔ یہ کتابیں دراصل اس لیے تھیں کہ دنیاے شرق و غرب، علم و فن کے اس بحرِ ناپیدا کنار سے اپنی تشنگی بجھاتی۔ ہند و پاک اور یورپ و امریکہ کے اربابِ علم و دانش ان سے استفادہ کرتے۔ ان کتابوں میں امام احمد رضا کا خونِ جگر، ان کی دقت طرازی، ان کی شب بیداری، ان کا جذبۂ دروں، ان کی آہِ نیم شبی، حبِ رسول میں ان کی برستی آنکھوں کا آبشار شامل ہے۔ ناموسِ رسالت کے دفاع میں اٹھائے گئے ان کے قلم کی جولانیاں، اور اہلِ سنت کے دفاع میں ان کے دھڑکتے ہوئے دل کی آہٹ موجود ہے۔ اے کاش! یہ کتابیں آج یورپ میں ہوتیں تو ان کی اشاعت کا با مقصد اہتمام یقیناً ہوتا، اور اس کا ایک ایک لفظ ضائع ہونے سے محفوظ رہتا۔ جس طرح ٹیپو سلطان شہید، بہادر شاہ ظفر مغل تاج دار، آصف الدولہ، شجاع الدولہ، نواب سراج الدولہ اور نواب واجد علی شاہ کے قلمی مخطوطات اور کتابیں یہاں لندن میں محفوظ ہیں، جس کا تذکرہ علامہ اقبال نے بھی کیا ہے۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھوان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا
حکومت کا تو کیا رونا، کہ وہ اک عارضی شے تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

(ڈاکٹر اقبال)

کبھی آپ نے محسوس کیا کہ وارثینِ علومِ رضوی کل میدانِ قیامت میں اپنے امام کو کیا جواب دیں گے؟ دوسری جانب کم و بیش یہی حال ہند و پاک کے دوسری خانقاہوں کا ہے جہاں اکابرینِ اہلِ سنت اور اسلاف کی کتابوں کی ناقدری ہو رہی ہے۔

وقت ایک قطرہ ہے حیات و کائنات کا، ایسا قطرہ جو ازل سے اب تک مسلسل بہا جا رہا ہے، تاہم اس کے بہاؤ کا معاملہ عجیب تراس لیے ہے کہ اس کی سرعتِ رفتار اور تغیرِ زمانی کے باوجود زندگی کا وجدان اس تیزی کے احساس سے محروم رہتا ہے۔ وقت انسانی زندگی کا عظیم سرمایہ ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انسان جتنی بے دردی، لاپرواہی اور بے فکری کے ساتھ وقت ضائع کرتا ہے، اپنی ملکیت کی کسی اور چیز کو اتنی بے دردی، غفلت اور بے حسی کے ساتھ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وقت افراد و اقوام

کی عملی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے۔ عروج و ارتقا کی تمام راہیں اس سرمایۂ حیات کے بروقت اور صحیح استعمال ہی کی بدولت طے ہو سکتی ہیں۔ فرد معاشرے کا جز ہے اور افراد ہی کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر ہوتی ہے، کسی قوم کے زوال کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کے افراد ضیاعِ وقت کی آفات کا شکار ہوجائیں۔ مسلمان قوم جو ایک درخشاں تاریخ رکھتی ہے، اور جس کے جاہ و جلال اور عظمت و سطوت کے پرچم سرنگوں ہوئے ابھی کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا، وقت کی قدر و قیمت اس کے مذہبی فرائض میں داخل تھی، اور اس کی یہ تاریخی خصوصیت رہی ہے۔ وہ صدیوں تک پوری دنیا پر چھائی رہی۔ علم و حکمت کے میدان میں ان کا کوئی ہم سر اور مقابل نہیں تھا۔ سمرقند و بخارا، طرابلس اور بغداد کی درس گاہیں اپنے طلبہ کو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا حوصلہ بخش رہی تھیں تو اس کی بنیادی وجہ وقت کی پابندی تھی۔ گزشتہ سطور میں ہم نے تاریخ علم و دانش کے جن بزرگوں کی تصنیفات کا ضمناً تذکرہ کیا، ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ ان نفوس قدسیہ کی شب و روز کی زندگی مقررہ اوقات سے بندھی ہوئی تھی۔ یہ ان کے ضبطِ اوقات ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کے علمی مشاغل اور مجاہدات و عبادات کے حیرت انگیز تذکرے صدیوں گزرنے کے باوجود آج بھی زندہ ہیں۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

کہا جاتا ہے کہ کسی ملک یا معاشرے کی تہذیب و تمدن کو جانچنا ہو تو وہاں کے ٹریفک نظام کو دیکھ لیا جائے، سماجی ترقی کو سمجھنا ہو تو وہاں کے لوگ کتنے خوش حال ہیں؟ یہ دیکھ لیا جائے پھر یہ دیکھا جائے کہ وہاں فی کس آمدنی کتنی ہے۔ وہ ہیومن ڈیولپمنٹ انڈیکس (Human Development Index) کے کس درجے پر ہیں۔ بلاشبہ یہ تمام پیمانے غلط نہیں، تاہم میری نظر میں کسی بھی معاشرے یا قوم کی ترقی یا پس ماندگی کا سب سے اہم پیمانہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں میں پابندی وقت اور اس کی قدر و قیمت ہے کہ نہیں، وہاں کے لوگ کتابیں پڑھتے ہیں کہ نہیں، اس حوالے سے اگر ہم اسلامی دنیا کو دیکھیں تو صورتِ حال دوسرے غیر مسلم ممالک کے نسبتاً انتہائی اندوہ ناک ہے۔ اسلامی دنیا جو ماضی میں جدید علوم و فنون کی براہِ راست موجد ہے، اب ان کے ہاں جدید موضوعات و ایجادات پر کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ عام لوگوں میں شوق مطالعہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مطالعے سے قوتِ گویائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہو تو پھر ہم نئے خیالات کہاں سے لائیں گے، ادبی و تحقیقی کام کیسے ہوگا؟ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں سنجیدہ، بامقصد تعمیری گفتگو اور علمی مقالات کیسے پڑھے جائیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ مطالعے کی عام کمی کی وجہ سے معاشرے میں تشدد اور عدم برداشت کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اسلامی دنیا کا علمی و فکری زوال عصر حاضر کے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک کے بالمقابل حد درجہ افسوس ناک ہے۔ جنھوں نے صدیوں کی عملی ریاضت کے بعد پوری دنیا کو عدم تشدد، بردباری، رواداری اور قوتِ عمل و برداشت جیسے اوصاف کو عام کرنے کا درس دیا تھا، آج خود اس کا دامن ان اوصافِ حمیدہ سے خالی ہے۔ آدمی سے انسان بننے کے درمیان کتاب کی ضرورت در پیش ہوتی ہے، انسان ایک مادّی اور اخلاقی وجود ہے۔ اولوالعزم طرزِ حیات کا احاطہ اور کامیاب ترین نصب العین کا حقیقی وجود بغیر کتاب کے ممکن ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی ذمہ داریاں حد درجہ وسیع و عریض ہیں۔ یہ بڑھے تو وسعتِ کائنات میں سما نہ سکے۔ اس کے بر خلاف ہماری زندگی مختصر، ہمارا مستقبل موہوم، حال ثبات سے خالی اور ماضی ہماری دست رس سے باہر ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے کہ جس نے حال سے فائدہ اٹھایا، عزیمت واستقامت کے ساتھ سفرِ حیات طے کیا اور وقت کی قدر کی وہی لوگ ہمیشہ کامیاب ہوئے، یہ زمان و مکان کی وسعتوں پر چھائے رہے اور تاریخ نے انھیں کو یاد رکھا۔

ڈاکٹر اقبال کے ان اشعار پر اپنے مضمون کا اختتام کرنا چاہوں گا جس میں انھوں نے حد درجہ خوب صورتی کے ساتھ وقت اور زمانے کی حقیقت، اس کی بے ثباتی و بے نیازی کے چہرے سے نقاب کشائی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اس کا مشتاق ہے زمانہ
مری صراحی سے قطرے قطرے نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن، جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
نہ تھا اگر تو شریکِ محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ دوں، کسی کی خاطر مئے شبانہ

☆☆☆☆

بیماری نعمت اور بیمار پُرسی سعادت

محمد آصف اقبال

”تندرستی ہزار نعمت ہے“ یہ محاورہ ہم اپنے بچپن سے سنتے آرہے ہیں اور بات بھی یہی ہے کہ اگر انسان کا تن، درست ہو تو وہ نعمتوں سے بھرپور لطف اٹھاتا ہے اور اگر تن کو بیماری لگ جائے تو اب چاہے لاکھوں نعمتوں کا مالک ہو مگر اس کے حق میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ تو تھی صحت و تندرستی کی بات جسے ہر معاشرہ اور ہر مذہب میں قابل رشک سمجھا جاتا ہے مگر بیماری کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب بیماری کو صرف آفت و مصیبت گردانتے ہیں جبکہ مذہب اسلام جہاں صحت کو نعمت قرار دیتا ہے وہاں بیماری کو بھی ایک طرح کی نعمت بتاتا ہے اور نہ صرف بیمار کے فضائل بیان کرتا ہے بلکہ بیمار کی عیادت کرنے کی اہمیت و فضیلت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ نیز اس کی ترغیب و تحریص پر بھی ابھارتا ہے۔ فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بیماری سے بظاہر تکلیف پہنچتی ہے لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑی نعمت ہے جس سے مومن کو ابدی راحت وآرام کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے۔“ (انوار الحدیث، ص ۱۹۷)

ذیل میں ہم پہلے بیماری و بیمار کی فضیلت، پھر بیماری میں صبر و شکر کی اہمیت، پھر مریض کے ساتھ حسن سلوک، پھر دوا اور دم سے بیماری کا علاج، پھر عیادت کی اہمیت و فضیلت اور آخر میں عیادت کے آداب بیان کریں گے اور یہ بھی بیان کریں گے کہ بیماری کے وقت مریض کو اور عیادت کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے نیز ساتھ ساتھ ان کے متعلق بعض ضروری مسائل بھی ذکر کریں گے۔

بیماری اور بیمار کی فضیلت: جب ہم احادیث طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بیماری اور بیمار کی حیرت انگیز فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چند روایات ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کے حق میں بیماری کو کس قدر نافع و مفید اور رحمت و نعمت بنایا ہے۔

(۱) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو کوئی رنج، دکھ، فکر، تکلیف، اذیت اور غم پہنچتا ہے حتی کہ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
(صحیح بخاری، ج ۴، ص ۳، الحدیث: ۵۶۴۱)

(۲) بارگاہِ رسالت میں بخار کا ذکر کیا گیا تو ایک شخص نے بخار کو برا کہا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بخار کو برا نہ کہو کیوں کہ وہ مومن کو گناہوں سے ایسے پاک کر دیتا ہے جیسے آگ لوہے کا میل صاف کر دیتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۴، ص ۱۰۴، الحدیث: ۳۴۶۹)

(۳) بندے کے لیے علم الٰہی میں جب کوئی مرتبۂ کمال مقدر ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل سے اس مرتبے کو نہیں پہنچتا تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم، مال یا اولاد پر کوئی مصیبت ڈالتا ہے پھر اس پر صبر عطا فرماتا ہے حتی کہ اسے اس مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لیے علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے۔ (مسند احمد، ج ۸، ص ۳۱۴، الحدیث: ۲۲۴۰۱)

(۴) راہِ خدا میں قتل کے علاوہ سات شہادتیں اور ہیں: (۱) طاعون سے مرنے والا شہید ہے (۲) ڈوب کر مرنے والا شہید ہے (۳) نمونیہ سے مرنے والا شہید ہے (۴) پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے (۵) آگ میں جل جانے والا شہید ہے (۶) عمارت کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور (۷) بچہ کی پیدائش کے وقت مرنے والی عورت شہید ہے۔ (مؤطا امام مالک، ج ۱، ص ۲۱۸، الحدیث: ۵۶۳)

(۵) جب بندہ تین دن بیمار ہوتا ہے تو گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔
(مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۰، الحدیث: ۳۷۶۴)

(۶) مریض جب تک تندرست نہ ہو جائے اس کی دعا رد نہیں ہوتی۔“ (الترغیب والترھیب، ج ۴، ص ۱۶۶، الحدیث: ۱۹)

(۷) جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو جو عمل وہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کرتا ہے وہ عمل بھی اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔
(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۳۰۸، الحدیث: ۲۹۹۶)

بیماری میں صبر و شکر کی اہمیت: حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "مریض کو چاہیے کہ موت کو کثرت سے یاد کرے، توبہ کرتے ہوئے موت کی تیاری کرے، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، خوب گڑگڑا کر دعا کرے، عاجزی کا اظہار کرے، خالق و مالک جَلَّ جَلَالُہٗ سے مدد مانگنے کے ساتھ ساتھ علاج بھی کرائے، قوت و طاقت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، شکوہ و شکایت نہ کرے، تیمار داری کرنے والوں کی عزت و احترام کرے، مگر ان سے مصافحہ نہ کرے۔

(رسائل امام غزالی، الادب فی الدین، ص۴۰۹)

مصافحہ نہ کرنے کا اس لیے فرمایا تاکہ کمزور عقیدے والا یہ گمان نہ کرے کہ ایک مریض کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے... فقیہ ملت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: "یہ ظاہری بیماری حقیقت میں روحانی بیماریوں کا بڑا زبردست علاج ہے بشرطے کہ آدمی مومن ہو اور سخت سے سخت بیماری میں صبر و شکر سے کام لے اگر صبر نہ کرے بلکہ جزع فزع کرے تو بیماری سے کوئی معنوی فائدہ نہ پہنچے گا یعنی ثواب سے محروم رہے گا۔ بعض نادان بیماری میں نہایت بے جا کلمات بول اٹھتے ہیں اور بعض خدائے تعالیٰ کی جانب ظلم کی نسبت کرکے کفر تک پہنچ جاتے ہیں یہ ان کی انتہائی شقاوت اور دنیا و آخرت کی ہلاکت کا سبب ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

(انوار الحدیث، ص۱۹۷)

سچی بات ہے کہ احادیث مبارکہ میں بیماری کے جو بھی فضائل وارد ہوئے ہیں ان کا اصل حق دار وہی ہے جو اپنی زبان پر شکوہ و شکایت کے الفاظ لانے کے بجائے خود کو صبر و شکر سے سجائے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مالا مال ہو جائے۔

ترغیب کے لیے دو روایتیں ملاحظہ کیجیے:

(۱) حضرت عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان سے فرماتا ہے: دیکھو یہ اپنی عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟" پھر اگر وہ مریض اپنی عیادت کے لیے آنے والوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے (یعنی شکر ادا کرے) تو وہ فرشتے اس کی یہ بات بارگاہ الٰہی میں عرض کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کا مجھ پر حق ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں اور اگر اسے شفا دوں تو اس کے گوشت کو بہتر گوشت سے بدل دوں اور اس کے گناہ مٹا دوں۔ (موطا امام مالک، ج۲، ص۴۲۹، الحدیث:۱۷۹۸)

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کی عیادت فرمائی اور اس سے پوچھا: کیسا محسوس کر رہی ہو؟" اس نے عرض کی: "بہتر، مگر اس بخار نے مجھے تھکا دیا ہے۔" رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "صبر کرو کیوں کہ بخار آدمی کے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔"

(الترغیب والترہیب، ج۴، ص۱۵۲، الحدیث:۷۷)

مریض کے ساتھ حسن سلوک: چوں کہ مریض بیماری میں اپنی حالت و کیفیت پر نہیں رہتا۔ اس کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، مزاج و طبیعت میں تبدیلی آجاتی ہے، منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور کبھی کبھار چڑچڑا پن اسے گھیر لیتا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں وہ انتہائی نرم سلوک کا مستحق ہوتا ہے۔ اس پر سختی نہ کی جائے اور کھانے وغیرہ کے معاملے میں اس کے ساتھ ضد نہ کی جائے بلکہ انتہائی محبت و پیار کے ساتھ اُسے اس کے اچھے یا برے کے بارے میں بتایا جائے۔ یہاں وہ روایات ذکر کی جاتی ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مریضوں کے ساتھ نرمی برتنے اور سختی نہ کرنے کا فرمایا ہے اور یہ کہ مریض کی حالت کا خیال رکھنا چاہیے:

(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مریضوں کو کھانے پر مجبور نہ کرو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے۔ (سنن ترمذی، ج۴، ص۵، الحدیث:۲۰۴۷)

(۲) ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا: جب مریض کھانے کی خواہش کرے تو اسے کھلا دو۔ (سنن ابن ماجہ، ج۴، ص۸۹، الحدیث:۳۴۴۰)

(۳) حضرت اُم منذر بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہمراہ میرے یہاں تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیماری سے ابھی ابھی صحت یاب ہوئے تھے۔ مکان میں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن میں سے کھجوریں تناول فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا چاہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ابھی کمزور و ناتواں ہو۔ حضرت اُم منذر فرماتی ہیں: میں نے جو اور چقندر پکا کر پیش کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اس میں سے کھاؤ، یہ تمھارے لیے نفع بخش ہے۔" (سنن ابو داؤد، ج۴، ص۵، الحدیث:۳۸۵۶)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مریض کو پرہیز کرنا چاہیے جو چیزیں اس کے لیے مضر ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔" (بہار شریعت، ج۳، ص۵۰۱)

دوا اور دم سے علاج: بیماری خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو اس کا

علاج جلد کرنا چاہیے کہ خدانخواستہ کہیں وہ بڑھ کر کوئی ناسور یا بڑے مرض میں تبدیل نہ ہو جائے اور بندہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے عاجز آجائے نیز اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی بیماری اتاری ہے تو ساتھ ہی اس کے لیے شفا بھی نازل فرمائی ہے۔(صحیح البخاری، ج۴، ص۱۶، الحدیث:۵۶۷۸)

علاج کی بھی دو صورتیں ہیں (۱) دواؤں سے علاج (۲) دعاؤں سے علاج یعنی تعویذات اور دم وغیرہ سے علاج جسے روحانی علاج بھی کہتے ہیں۔یہاں دونوں کے متعلق کچھ مسائل نیز چند روحانی علاج بیان کیے جاتے ہیں۔ صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "بہار شریعت" میں نقل فرماتے :دوا علاج کرنا جائز ہے جب کہ یہ اعتقاد ہو کہ شافی (شفا دینے والا) اللہ تعالیٰ ہے، اس نے دوا کو ازالہ مرض (مرض دور کرنے) کے لیے سبب بنادیا ہے اور اگر دوا ہی کو شفا دینے والا سمجھتا ہو تو ناجائز ہے۔(فتاوی عالمگیری، ج۵، ص ۳۵۴) ...

علاج جائز اور حلال اشیا ہی سے کیا جائے کیوں کہ حرام چیزوں کو دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا ناجائز ہے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا:"جو چیزیں حرام ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے شفا نہیں رکھی ہے۔"

(معجم کبیر، ج۲۳، ص۳۲۶، الحدیث:۷۴۹) ...

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: بہت سے مریض جن کو تمام حکیموں اور ڈاکٹروں نے لاعلاج کہہ کر مایوس کر دیا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور قرآن مجید کی مقدس آیتوں سے صحیح طریقے پر چارہ جوئی کی گئی تو دم زدن میں بڑے بڑے خوفناک اور بھیانک امراض اس طرح ختم ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

(جنتی زیور، ص ۵۷۳)

"بہار شریعت" میں ہے: گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے جب کہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسمائے الٰہیہ یا ادعیہ سے تعویذ کیا گیا ہو۔

(بہار شریعت، ج۳، ص ۶۵۲)...

جائز دم اور تعویذ کا ذکر احادیث کریمہ میں بھی ہے ۔چناں چہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ہم جاہلیت میں جھاڑا کرتے تھے۔آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"میرے سامنے پیش کرو، جھاڑ پھونک میں حرج نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔"(صحیح مسلم، ص۱۲۰۷، الحدیث:۲۲۰۰)...

سیدنا امام ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بالغ بچوں کو سوتے وقت یہ کلمات پڑھنے کی تلقین فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ

اور ان میں سے جو نابالغ ہوتے اور یاد نہ کر سکتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کلمات لکھ کر ان کا تعویذ بچوں کے گلے میں ڈال دیتے۔

(مسند امام احمد، ج۲، ص۶۰۰، الحدیث:۶۷۰۸)

دکھے دلوں کے طبیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کو جائے اور سات بار یہ دعا پڑھے۔

أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ

اگر موت کا وقت نہیں آگیا ہے تو اسے ضرور شفا ہوگی۔

(مشکوۃ المصابیح، ج۱، ص۲۹۸، الحدیث:۱۵۵۳) ...

ارشاد نبوی ہے : صدقے کے ذریعے اپنے مریضوں کی دوا کرو۔(معجم کبیر، ج۱۰، ص۱۲۸، الحدیث:۱۰۱۹۶)...

بخار کا ایک روحانی علاج یہ بھی ہے کہ بعد نماز عصر پارہ ۲۸ کی سورۂ مجادلہ تین مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلائیے۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص۳۲۵)...

دماغ میں کوئی خرابی آجائے تو لاحول شریف ۲۰ / بار، سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی ایک ایک بار اور تینوں "قل" تین بار پانی پر دَم کر کے پلائیے۔(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص۳۴۱)

عیادت کی اہمیت و فضیلت: کسی بیمار مسلمان کی عیادت کرنا صرف سنت ہی نہیں بلکہ اس کا حق ہے جسے ہم مسلمانوں کو بحسن و خوبی ادا کرنا چاہیے۔آج کل لوگ صرف ایک فون کال بلکہ ایک ایس ایم ایس کے ذریعے ہی یہ "فریضہ" ادا کر لیتے ہیں اور وقت نکال کر بنفس نفیس مریض کی مزاج پرسی و تیمارداری کے لیے جانا دشوار ہوتا جارہا ہے اور اب تو لوگ اپنے مسلمان بھائی کی موت پر بھی اسی "ذریعے" کا سہارا لیتے نظر آتے ہیں۔باری تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے باہمی حقوق خوش دلی اور بھرپور جذبے کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔کسی مسلمان کی عیادت کرنا نہ صرف بڑی سعادت ہے بلکہ اطاعت و عبادت بھی ہے۔

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مریضوں کی عیادت کیا کرو اور جنازوں میں شرکت کیا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتے رہیں گے۔(مسند امام احمد، ج۴، ص۷۴، الحدیث: ۱۱۱۸۰)

(۲) اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا: میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے، پھر بھی تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

(صحیح مسلم، ص ۱۱۶۸، الحدیث: ۶۵۵۶)

(۳) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اچھے طریقے سے وضو کیا اور ثواب کی امید پر اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کی اسے جہنم سے ۷۰ / سال کے فاصلے تک دور کر دیا جائے گا۔

(سنن ابی داؤد، ج ۳، ص ۲۴۸، الحدیث: ۳۰۹۷)

(۴) جس نے مریض کی عیادت کی، جب تک وہ بیٹھ نہ جائے دریائے رحمت میں غوطے لگاتا رہتا ہے اور جب وہ بیٹھ جاتا ہے تو رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔ (مسند امام احمد، ج ۵، ص ۳۰، الحدیث: ۱۴۲۶۴)

(۵) جو مسلمان صبح کو کسی مسلمان کی عیادت کو نکلتا ہے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اور جو شام کو مریض کی عیادت کرنے نکلتا ہے صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ لگا دیا جاتا ہے۔

(الترغیب والترہیب، ج ۴، ص ۱۶۴، الحدیث: ۱۱)

عیادت کے آداب: اگر کوئی عمل قرینے، تمیز اور طریقے سے نہ کیا جائے تو وہ ادھورا و نامکمل رہتا ہے۔ عیادت کے بھی کچھ آداب ہیں جن میں سے بعض یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

(۱)... عیادت کرنے والا اگر مرض کی سختی دیکھے تو مریض کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ تمھاری حالت خراب ہے بلکہ اس کے سامنے ایسی باتیں کرنی چاہیں جو اس کے دل کو اچھی لگیں۔

(سنن الترمذی، ج ۴، ص ۲۵، الحدیث: ۲۰۹۴)

(۲)... مریض کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے سوائے اس شخص کے کہ جس کے زیادہ دیر ٹھہرنے سے مریض کو خوشی حاصل ہو جبکہ کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "عیادت اونٹنی کا دودھ دوہنے کے وقت کی مقدار برابر ہے۔" اور ایک روایت میں یوں ہے: بیمار پرسی کا افضل طریقہ یہی ہے کہ بہت جلد مریض کے پاس سے اٹھ جائیں۔ (شعب الایمان، ج ۶، ص ۵۴۲، الحدیث: ۹۲۲۱ـ۹۲۲۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: عیادت میں مریض کے پاس تھوڑی دیر بیٹھنا اور شور نہ کرنا سنت ہے۔

(مشکوۃ المصابیح، ج ۱، ص ۳۰۳، الحدیث: ۱۵۸۹)

(۳)... اگر کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو نیز مریض کی خود خواہش ہو تو اس کے سر یا پیشانی پر ہاتھ رکھ کر عیادت کرے۔ (بہار شریعت، ج ۳، ص ۵۰۵)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ اس کی پیشانی یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھے کہ مزاج کیسا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۴، ص ۳۳۴، الحدیث: ۲۷۴۰)

(۴)... عیادت کرنے والے کو چاہیے کہ جہاں وہ مریض کے لیے دعا کرے وہیں مریض سے اپنے لیے بھی دعا کروائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرو کیوں کہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی مانند ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۹۱، الحدیث ۱۴۴۱)

(۵)... نیک لوگوں بالخصوص ان خوش نصیبوں کی عیادت ضرور کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے گھروں کو شاد و آباد رکھتے ہیں کیوں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مساجد کو آباد رکھنے والے نیک لوگوں بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کرنا فرشتوں کا طریقہ ہے۔ (مستدرک، ج ۳، ص ۱۶۲، الحدیث: ۳۵۵۹)

چند مسائل: (۱) فاسق کی عیادت بھی جائز ہے، کیوں کہ عیادت حقوق اسلام سے ہے اور فاسق بھی مسلم ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، ج ۹، ص ۶۳۹)

(۲) اگر کسی مریض کو ایذا پہنچے تو قرآن مجید بھی بلند آواز سے نہ پڑھا جائے۔ (غنیۃ المستملی، ص ۴۹۸)

(۳) اگر جماعت کے لیے جانے سے مریض کو تکلیف ہوگی اور وہ گھبرائے گا تو اس کی تیمارداری کرنے والا جماعت ترک کر سکتا ہے۔

(در مختار، ج ۲، ص ۳۴۹)

(۴) اگر معلوم ہے کہ عیادت کو جائے گا تو اس بیمار پر گراں گزرے گا ایسی حالت میں عیادت نہ کرے۔ (بہار شریعت، ج ۳، ص ۵۰۵)

بیماریوں سے حفاظت کی دعا: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا وہ اس مصیبت (بیماری) سے محفوظ رہے گا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

(سنن ترمذی، ج ۵، ص ۲۷۲، الحدیث: ۳٤٤۲)

ایک عظیم المرتبت داعیِ اسلام
علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی

مولانا محمد رضا قادری مصباحی

بیسویں صدی عیسوی میں عالمی سطح پر اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تذکیر کا سہرا متحدہ ہندوستان کی جس آفاقی شخصیت کے سر سجتا اور زیب دیتا ہے اور جس نے تبلیغِ اسلام کے وسیع میدان میں تاریخ عالم پر غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں، ان میں پہلا مقام مبلغ اسلام، علامہ شاہ عبد العلیم قادری صدیقی میرٹھی مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۹۲ء-۱۹۵۴ء) خلیفۂ فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کا ہے۔ مبلغِ اسلام کی غیر معمولی خدمات اور ہمہ گیر اثرات کا دائرہ بیسویں صدی کے نصف اول پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے بین الاقوامی سطح پر معلوم دنیا کے بیش تر خطوں میں اسلام کو ایک زندہ اور ہر دور کے لیے قابلِ عمل مذہب کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اسلام کے تعلق سے غیر مسلم ذہنوں میں پیدا ہونے والے بے جا اعتراضات کا سائنٹفک اسلوب میں جواب دے کر ان کے شبہات کو دور کیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی آپ کا وہ مکالمہ ہے جو کینیا (جنوبی افریقہ) کے شہر ممباسہ میں مغربی دنیا کے مشہور فلسفی اور ڈرامہ نویس ''جارج برنارڈ شا'' کے ساتھ پیش آیا۔ اس مکالمہ کی تفصیل خلیل احمد رانا (پاکستان) کی کتاب ''مبلغِ اسلام علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی قادری'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس مقالہ کو انفارمیشن سینٹر آف دی انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈ زنے انگریزی زبان میں ''A Shavian and A Theologian'' کے نام سے شائع کیا۔ (۱)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ برناڈ شا نے اسلامی نظام کے مختلف پہلوؤں پر چونکا دینے والے اعتراضات کیے، جن میں اسلام کا اقتصادی نظام، معاشرتی نظام، سیاسی و روحانی نظام، تعزیراتی اور جنگی نظام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ جب مبلغِ اسلام نے اپنی گفتگو سے برناڈ شا کو پورے طور پر مطمئن کر دیا تو بے ساختہ اس نے کہا ''عبد العلیم! اگر اسلام یہی ہے جس کی ترجمانی آپ نے کی ہے تو میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ مستقبل میں دنیا کا مذہب اسلام ہوگا۔'' (۲)

غالباً مبلغِ اسلام سے ملنے کے بعد ہی اس عظیم مفکر نے یہ تاریخی جملے کہے تھے۔ برنارڈ شا مزید کہتے ہیں:

اگر کوئی مذہب ہے جو اگلے سو سال میں انگلستان پر حکومت کرے، نہیں، بلکہ سارے یورپ پر تو وہ صرف اسلام ہوگا۔ میں نے محمد (ﷺ) کے مذہب کو ہمیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، کیوں کہ اس کے اندر حیرت انگیز طاقت ہے، یہ واحد مذہب ہے جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا کو اپنے اندر جذب کر سکے جس کے اندر ہر دور کی اپیل ہے۔

If any religion has the chance of ruling over england, ny Europe, eithin next hundred years, if can only be Islam. I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of its wonderfuvatality if is the only religion which appears to possess the assimulating to the changing face of existance, which can make its apeal to every age.(3)

بہت سی ایسی مسلم آبادیوں سے آپ کا گزر ہوا جہاں لوگ کسی عالمِ دین کی صورت دیکھنے کو ترستے تھے، آپ نے انھیں اسلام کے چشمۂ صافی سے سیراب کیا، مسجدیں بنوائیں، مدرسے قائم کیے، پھر آگے بڑھے۔

ممبئی کے ساحل سے آبی جہاز کے ذریعہ آپ کا سفر شروع ہوتا، چلتے چلتے کسی جزیرہ میں اتر جاتے، وہاں کی غیر مسلم آبادی کو جمع کرتے، اسلام کی حقانیت پر پر زور تقریر ہوتی، لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ کسی کسی جزیرہ میں تو دو دو مہینہ سے زیادہ قیام کرنا پڑتا۔ جب لوگ مسلمان ہو جاتے تو ان کی مذہبی تعلیم کے لیے مدرسہ اور عبادات کے لیے مسجد قائم کر دیتے، کسی کو اپنا نائب بنا دیتے اور آپ کا سفر آگے کی طرف بڑھ جاتا۔ بادباں حیران رہتا کہ یہ کیسا آدمی ہے! جب کسی جزیرہ میں جاتا ہے تو تنہا ہوتا ہے اور واپس ہوتا ہے تو سیکڑوں لوگوں کی

بھیڑ الوداع کہنے کے لیے اس کے پیچھے ہوتی ہے۔

مستند سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں ستر(۷۰)ہزار سے زائد غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ جس میں اپنے وقت کا فلسفی بھی ہے اور مورخ بھی، سائنس داں بھی ہے اور سیاست داں بھی، وزرا بھی ہیں اور قانون داں بھی اور عام انسان بھی۔

کیا سبب تھا کہ اس قدر کثرت کے ساتھ لوگ آپ کے ہاتھوں پر اسلام میں داخل ہوئے، اگر ہم صحیح معنوں میں اس راز کو دریافت کر لیتے ہیں تو عصر حاضر میں دعوت و تبلیغ کے بے شمار نئے امکانات اور مختلف طریقہ ہائے کار سے واقف ہوسکیں گے۔

دعوت کی راہ میں اگر ایک طرف مبلغِ اسلام کی ہمہ جہت غیر معمولی مقناطیسی شخصیت لوگوں کے دلوں کو مسخر کر رہی تھی تو دوسری طرف مختلف و متنوع زبان و بیان پر آپ کی حیرت انگیز مہارت، سائنٹفک طرزِ استدلال، مدعو کی نفسیات سے گہری واقفیت، خدا کے غافل بندوں تک اس کے دین کو پہنچانے کا پر خلوص جذبہ اور اپنے مشن سے جنون کی حد تک عشق۔ یہ وہ عناصر تھے جنھوں نے پر خار وادیوں کو آپ کے لیے لالہ زار بنادیا، جس آبادی اور جس راہ سے گزرے آپ کی روحانی خوشبو سے وہ معطر ہوتی چلی گئی۔ اسلام کی صدائے دل نواز سے صحراو بیاباں گونج اٹھے اور بحر اٹلانٹک کو پار کرتے ہوئے امریکہ کے جزیروں میں اسلام کی روشنی پھیلا دی۔ آپ نے کسی مخصوص خطہ کو اپنے دعوتی عمل کی آماج گاہ نہیں قرار دیا، کسی ایک قوم کو اپنا مدعو نہیں سمجھا، بلکہ پوری دنیا آپ کے دعوتِ عمل کی آماج گاہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں پیاسی روحوں تک اسلام کا چشمۂ صافی پہنچانا آپ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آپ کے طائرِ فکر نے کبھی سیلون و برما میں پرواز کی، کبھی آپ کے ابرِ کرم نے چین، جاپان اور سیام کے جزیروں پر باران رحمت برسایا تو کبھی ری یونین، مڈگاسکر، ماریشش اور انڈونیشیا کو سیراب کیا، آپ نے کبھی افریقہ کے صحراؤں کی بادیہ پیمائی کی تو کبھی ارضِ مقدس فلسطین و عراق، مصر و حجاز کے ریگ زاروں کو چوما، کبھی اسلام کا ہلالی پرچم روم و انگلستان، برٹش گیانا، ڈچ گیانا، ٹرینڈاڈ اور یو ایس اے کی پیشانیوں پر نصب کیا تو کبھی فلپائن، ویسٹ انڈیز، فرانس اور سنگا پور کی فصیلوں پر لہرایا۔(۴)

کوئی ان صعوبتوں کا اندازہ لگائے، ہوائی جہاز کی برق رفتاری کا عہد نہیں تھا، ابھی ٹکنالوجی نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، بادبانی کشتیوں کا دور تھا، بعض ملکوں کا سفر کرنے میں ہفتوں اور مہینوں لگ جاتے تھے، لیکن حیرت ہے اس مردِ حق آگاہ قلندر صفت پر کہ نقل و حمل اور مواصلات کے اتنے محدود وسائل و ذرائع کے باوجود لاکھوں میل زمین کا سفر کیسے طے کیا؟

کوئی ان حوادث کا اندازہ کرے جو ان کے عہد میں واقع ہوئے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک پوری دنیا جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) اور جنگ عظیم ثانی (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے ذریعہ سلگائے ہوئے الاؤ میں جھلس رہی تھی۔ ادھر ہندو پاک کی تقسیم (۱۹۴۷ء) نے ایک ہنگامۂ محشر بپا کر رکھا تھا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں اسلام کا سفیر، ملت کا نگہبان، دین کا داعی ان شورش زدہ خطوں میں انسانیت کے ابدی پیغام، امن کے حقیقی تصور سے باخبر کر رہا تھا، ہزاروں مارکسیوں اور کمیونسٹوں کو اسلامی نظریۂ ملکیت اور معتدل تصور مساوات کی برتری تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ ان تمام نو پید مسائل کا حل صرف اسلام میں موجود ہے۔

آپ کی دعوت کی اثر انگیزی اور غیر معمولی نتیجہ خیزی میں جن عناصر کا دخل رہا ہے، ان میں سب سے بڑا عنصر میری نگاہ میں مدعو قوم کی زبان کا استعمال ہے۔ آپ کی دعوت کی خصوصیت یہ تھی کہ جس ملک، جس خطہ میں پہنچتے، دعوت کا کام وہاں کی زبان میں انجام دیتے، عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، چینی، جرمنی، پرتگالی اور مختلف سواحلی زبانوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ جب دل کی بات مدعو کی زبان میں تک پہنچتی ہے تب اثر پیدا ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کے اندر عالمی سطح پر دعوتی خدمات کے حوالے سے کوئی بھی شخصیت ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتی۔ بلا شبہہ وہ اسلام کے ایسے شارح و ترجمان تھے جنھوں نے قرنِ اول کے داعیانِ اسلام کی یاد تازہ کر دی۔ اگر آپ کی تمام دعوتی خدمات کا احاطہ کیا جائے تو یقیناً کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں اور ایسا ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ بہت سارے واقعات وہ ہیں جن کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہ ہوا۔ مزید یہ کہ آپ کی زندگی کے بہت سے گوشے لوگوں کے سینوں میں دفن ہو کر رہ گئے۔

تاہم اپنی نئی نسل کو آپ کی دعوتی خدمات سے واقف کرانا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں، تاکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ محفوظ سرمایہ بھی ضائع نہ ہو جائے۔ ذیل میں آپ کی تاب ناک اور قابلِ تقلید داعیانہ زندگی کے چند نقوش جن کو پھیلائیں تو چالیس سال پر پھیل جائیں، اور سمیٹ دیں تو چند صفحات میں سما جائیں، ملاحظہ کریں۔

مبلغِ اسلام کی داعیانہ و قائدانہ زندگی کا آغاز عہدِ طالب علمی سے ہی ہو چکا تھا۔ بی اے کا پہلا سال تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی بار آپ نے برما اور رنگون کا سفر کیا، برما کے مشہور شہروں میں تقریریں کیں، اور وہاں رہنے والے مسلم طلبہ کی ایک جماعت ''برما مسلم ایجوکیشنل کانفرنس'' تشکیل دی۔ ۱۹۱۵ء میں مذکورہ کانفرنس کی خصوصی دعوت پر برما کا سفر کیا اور جلسے کی صدارت کی، اس کانفرنس میں پیش کیا گیا تاریخی خطبۂ صدارت آپ کی دعوتی سرگرمیوں کے لیے سنگ میل ثابت ہوا۔

۱۹۱۹ء میں مکہ مکرمہ جا کر پہلا حج کیا اور حرم شریف میں ایک سال تک درسِ قرآن، درسِ حدیث اور تفسیر دیتے رہے۔ وہاں کے علما و مشائخ کے ساتھ افادہ و استفادہ کرتے رہے۔

اسی سفر میں یتیموں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ منورہ میں دار الایتام قائم فرمایا۔

۱۹۲۱ء میں تبلیغ اسلام کے لیے انڈونیشیا کا سفر کیا۔[۵]

۱۹۲۳ء میں سیلون (سری لنکا) تشریف لے گئے اور مختلف شہروں میں تقریریں کیں۔ کولمبو میں میمن حنفی مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد پورے ملک کی سب سے خوب صورت مسجد ہے۔[۶] اس دور میں آپ نے کولمبو یونیورسٹی میں ایک بڑے جلسہ سے خطاب کیا۔ مشہور پادری سر ریورنڈ کنگ بیری نے اسی کانفرنس میں آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔[۷]

۱۹۲۵ء میں دوسرا حج کیا۔

۱۹۲۷ء میں ہندوستان کے ایک مشہور بنگالی شاعر و مفکر کے مسلسل لکچرز نے انڈونیشیا کو الحاد کی طرف لانے کی مہم چھیڑ رکھی تھی، مبلغِ اسلام نے انڈونیشیا کی سب سے بڑی تنظیم الجمعیۃ المحمدیہ کے پلیٹ فارم سے عیسائی مشنریوں، قادیانی حملوں اور الحادی فتنوں کا پوری قوت سے مقابلہ کیا۔[۸]

۲۹-۱۹۲۸ء میں ماریشش کی سرزمین پر قادیانی حملوں کا خاتمہ کیا اور حزب اللہ کی بنیاد ڈالی۔ اس دور میں بہت سے ہندو اور عیسائی مسلمان ہوئے جس میں میسی گورنر ''مروات'' خصوصی طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ انھیں کے توسط سے مراقش کے مشہور لیڈر غازی عبد الکریم سے جیل خانہ میں ملاقات کی اور یہاں سے نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کا دورہ کیا۔ آسٹریلیا میں مشہور فاضل ڈاکٹر محمد عالم کو مبلغ بنایا۔[۹] ملایا میں اسلام پر قادیانی حملوں کے اثر کو ختم کیا۔ عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں تقریریں کیں۔ بہت سے یورپین لوگوں نے اسلام قبول کیا، بنکاک کی لائبریری میں بدھ مت کے متعلق ریسرچ کی۔[۱۰]

۳۲-۱۹۳۱ء سیلون کے اندر گرین پمفلٹ تحریک شروع کی اور آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔

۷/ اپریل ۱۹۳۱ء کو سنگاپور تشریف لائے۔ معززینِ شہر نے اپنے مہمان کا پھولوں کے ہار کے ساتھ پر جوش استقبال کیا۔ اسی سفر میں مسٹر سچندر راناتھ دت ایم اے، ایل ایل بی، بیرسٹرایٹ لا، جو سنگاپور کے ممتاز بیرسٹروں میں سے تھے، مبلغِ اسلام سے ملے، تقریریں سنیں، چند ملاقاتوں میں ایسے مسحور ہوئے کہ ۳/ مئی ۱۹۳۱ء یک شنبہ کی سہ پہر کو مدرسہ الجنید کے وسیع میدان میں ہزاروں مسلم و غیر مسلم کے سامنے بطیبِ خاطر اسلام قبول کیا اور اسلامی نام سراج النور رکھا گیا۔ اسی تاریخ میں شب ۹/ بجے ایک انگریز فاضل ''لیم ہیرلڈ سڈنس'' آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا، جس کا نام ولی الحق سڈنس رکھا گیا۔[۱۱]

۲۵/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو آپ ماریشش کی بندر گاہ پر پہنچے، جزیرہ کے لوگوں نے پر تپاک انداز میں آپ کا خیر مقدم کیا، جامع مسجد پورٹ لوئس میں دو تقریر فرمائی، تقریر ختم ہوتے ہی ایک فرنچ نوجوان مسٹر رینالڈ آگے بڑھا اور بڑے ادب سے کہا، مجھے بھی اس مقدس دین میں داخل کر لیا جائے۔ آپ نے اس کا اسلامی نام محمد علی رکھا۔[۱۲]

۳۵-۱۹۳۴ء میں مبلغِ اسلام کے عظیم شاگرد جے ماجد نے سیلون سے ماہ نامہ اسٹار آف اسلام جاری کیا۔ مبلغِ اسلام نے ڈربن (جنوبی افریقہ) میں انٹرنیشنل اسلام سروس سینٹر قائم کیا، جہاں سے مشہور ماہ نامہ ''دی مسلم ڈائجسٹ'' اور ''دی فائیو پلرز'' جیسے مجلات پابندی سے شائع ہوتے ہیں۔[۱۳] اسی سال آپ نے زنجبار، موزنبیق اور کینیا کا دورہ فرمایا اور وہاں کے مسلمانوں کو یورپین طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کیا۔

۱۷/ اپریل ۱۹۳۵ء کی تاریخ آپ کی زندگی کا ایک یادگار دن ہے۔ جب ممباسہ (افریقہ) میں مشہور ڈرامہ نویس جارج برناڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ برناڈ شا نے اسلام کے مختلف مسائل پر گفتگو کی۔ آپ نے سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں برناڈ شا کے سوالات کے ایسے جوابات دیے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر، مغرب کا عالی دماغ مفکر آپ کے سامنے گونگا ہو گیا اور آخر ش اس کو اسلام کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑا۔[۱۴]

۱۹۳۶ء کو سنگاپور میں قیام کے دوران مشہور انگریزی رسالہ ''دی جینوئن اسلام'' جاری کیا۔ اور اس کی ادارت اپنے لائق شاگرد ڈاکٹر

انچ ایس منشی کے ہاتھ میں دی۔

چین میں احیائے اسلام کے لیے کام کیا۔ ہانگ کانگ میں ایک یتیم خانہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ جاپان کے مشہور شہر کعب کی جامع مسجد کمیٹی نے آپ کو دعوت دی۔ جاپان کے مشہور شہر ٹوکیو میں "دی کلٹیو یشن آف سائنس بائی دی مسلمس" سائنسی ایجادات میں مسلمانوں کا حصہ، اس موضوع پر آپ کی حیرت انگیز چونکا دینے والی تقریر ہوئی، جس میں تاریخی حقائق کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کو اس انداز میں ثابت فرمایا کہ جاپان کا سنجیدہ ذہن طبقہ اسلام کی خوبیوں کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔[۱۵]

۱۹۴۵ء میں ہندوستان کے بعض حصوں میں زبردست فسادات ہوئے۔ آپ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، بمبئی اور مدراس میں تقریریں کرکے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔[۱۶]

اسی سال دنیا بھر سے آنے والے مسلم قائدین سے حجاز مقدس کے احوال کو بہتر بنانے کے لیے آپ نے تبادلۂ خیال کیا۔ حج ٹیکس کے خاتمہ کے لیے شاہ ابن سعود سے ملاقات کے لیے بھیجے گئے ایک ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔ مسلمانوں کے درپیش مسائل کے حل کے لیے علمائے عرب، خاص طور سے علمائے ازہر کو ابھارا اور مصر میں ایک تبلیغی سوسائٹی قائم کی جس کا نام تعریف بالاسلام رکھا۔[۱۷]

۱۹۴۸ء میں شاہ اردن عبد اللہ بن سلیمان اور دوسری مشہور شخصیات کے ساتھ حجاز مقدس میں عوامی مالیات اور ان کی تنظیم کے مسائل پر گفت وشنید کی۔[۱۸]

ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ کیے جانے والے وحشیانہ سلوک پر پنڈت جواہر لال نہرو سے ۱۹۴۹ء میں ملاقات کی۔ سنگا پور میں عید میلاد النبی کانفرنس کی صدارت کی اور لادینی افکار ونظریات بالخصوص کمیونزم کے خلاف مسلمان، ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی مذہبی رہ نماؤں کا ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا جس کا نام تنظیم بین المذاہب (Inter religious organisation) رکھا۔[۱۹]

اس تنظیم کا مقصد خدا کے وجود پر یقین رکھنے والے مذاہب کے باہمی رابطہ کے ذریعہ لا مذہبیت کا قلع قمع کرنا تھا۔ علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی نے مرزائیت کے رد میں اہم کارنامہ انجام دیا۔ علامہ شاہ احمد نورانی (۱۹۲۵ء-۲۰۰۴ء) فرزند مبلغِ اسلام جنھوں نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد عالمی سطح پر دعوتِ اسلامی اور مسلمانوں کی مذہبی قیادت کا قابلِ فخر کارنامہ انجام دیا، ان سے لیے گئے ایک انٹرویو کا اقتباس ملاحظہ کریں۔

میرے والد نے ابتدا سے آخر تک افریقہ، ملائیشیا، سیلون، یورپ اور امریکہ کی سرزمین پر بیش تر لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی زبان میں تصنیف "The Mirror" کے نام سے موجود ہے، جو کئی پبلی کیشنز (ڈربن، جنوبی افریقہ) نے شائع کی ہے۔ اور اردو زبان میں "مرزائی حقیقت کا اظہار" اور عربی زبان میں مصر میں چھپی ہوئی "المرآۃ القادیانیۃ" ہیں۔ انڈونیشی زبان میں "مرزائی حقیقت کا اظہار" کا ترجمہ ہوا اور اس کی اشاعت کے بعد ملیشیا میں زبردست تحریک اٹھی، یہاں تک کہ ملیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ تک ممنوع ہو گیا تھا۔[۲۰]

۱۹۵۰ء میں امریکہ کے اس دل چسپ سفر کی کہانی جناب خلیل احمد رانا کی زبانی ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں:

مولانا عبد العلیم صدیقی علیہ الرحمۃ تبلیغ اسلام کے لیے امریکہ روانہ ہوئے جہاں آپ کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔ مشرقی یو ایس اے کے مفتیِ اعظم حضرت عبد الرحمٰن لسٹر آپ کے شاگرد ہوئے۔ شکاگو کے دورانِ قیام آٹھ امریکی مسلمان ہوئے۔ ایک دن شہر نیویارک کے سٹی ہال میں عالمانہ تقریر کی، جلسہ برخاست ہوتے ہی بانوے (۹۲) امریکیوں نے اسلام قبول کیا، جن میں مشہور سائنس داں مسٹر جارج اینٹونوف اور ان کی بیگم شامل ہیں۔ واشنگٹن میں مختلف علمی اداروں میں لکچرز دینے کے بعد ۱۳۶ امریکن دانش ور و پرفیسرز اپنے اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ واشنگٹن میں ہی The Solution of Human's Problems (انسانی مسائل کا حل) کے عنوان سے لاجواب تقریر کی۔[۲۱]

میچی گن یونیورسٹی کا ہونہار ماہرِ تعلیم مسٹر عبد الباسط آپ کا شاگرد ہوا اور مولانا کی زیرِ سرپرستی امریکہ سے ایک بلند پایہ میگزین "اسلامی دنیا اور امریکہ" The Islamic world & Thw U.S.A. جاری کیا گیا۔ اس کے علاوہ ریاست سراواک کی شہزادی گلڈیزیا مر خیر النسا محمد یوسف مشل اور نہ جانے کتنی ممتاز شخصیات نے اس سفر میں اسلام قبول کیا۔[۲۲] اسی سفر میں مبلغِ اسلام نے اسلام کی اشاعت کے لیے ٹرینڈاڈ میں چھ ماہ تک قیام کیا۔ اس کے بعد برٹش گیانا، ڈچ گیانا، انگلستان، فرانس، روم، حجاز، مصر، ماریشش، ری یونین، مڈغاسکر، مشرقی افریقہ، سیلون، ملایا، سیام اور انڈونیشیا وغیرہ کا دورہ مکمل کرکے ڈھائی سال کے بعد

۲۱/ مئی ۱۹۵۱ء کو کراچی تشریف لائے۔ یہ دورہ کراچی ہی سے اکتوبر ۱۹۴۸ء کو شروع ہوا تھا۔ [۲۳]

آپ کی خدمتِ دعوت و تبلیغ اور جنونِ شوق کی داستان یہیں آکر ختم نہ ہوگئی بلکہ آخری دَم تک اسلام کا سفیر بن کر دشت و کوہ سار میں آپ آبلہ پائی اور صحرانوردی کرتے رہے۔ خدا کے غافل بندوں کو لاہوتی نغمہ سناتے رہے۔ جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرتے رہے۔

۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء میں تبلیغی دورہ کے بعد حج و زیارت کے لیے عازمِ سفر ہوئے، مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور دیارِ حبیب میں وصال کی آرزو لے کر وہیں مقیم ہو گئے۔ عشق و وارفتگی کے عالم میں بار بار یہ شعر پڑھتے۔

علیم خستہ جاں تنگ آگیا ہے دردِ ہجراں سے
الٰہی! کب وہ دن آئے کہ مہماں محمد ہو

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲/ اگست ۱۹۵۴ء کو مدینہ منورہ میں آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اور جنت البقیع میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں مدفون ہوئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ عاشقِ رسول، عارف باللہ شیخ محمد ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفۂ مجاز فقیہِ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے پڑھائی۔ [۲۴]

مبلغِ اسلام کی تصانیف ایک نظر میں:

1-The Elementry Teaching of Islam, 2- The Princples of Islam, 3-Quest for the Happiness, 4-How to face communism, 5- Islam's Answer to the Challenge of Communism, 6-Women and Their Status in Islam, 7-A Shavian and Theologian, 8-Thw Forgotten Path of Knowledge, 9- The Condification of Islamic Law, 10-How to Preach Islam, 11-The Message of of Peace 12-The Problems of Peace and Wak, 13- The Mirror, 14-The Clarion call, 15-Miracle in light of Science and Religion, 16- The First Teaching of Islam, 17-Sultivation of Science by the Muslims, 18- The Universal Teaching, 19-Spritual Culture in Islam, 20-Religion and Scientific progress.

(۱)-المرآۃ القادیانیۃ [عربی]، (۲)-حقیقۃ المرزائین، (۳)-ضرائب الحج، (۴) ذکرِ حبیب [اردو]، (۵)-کتاب التصوف، (۶)-بہارِ شباب، (۷)-احکامِ رمضان، (۸)-مرزائی حقیقت کا اظہار۔

مصادر و مراجع

(۱)-خلیل احمد رانا، مبلغ اسلام، علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری، ص:۸۰، مطبوعہ کراچی، پاکستان ۱۹۹۴ء۔
(۲)-علامہ ارشد القادری قدس سرہ۔ سرینام، یورپ اور امریکہ کا ایک معلوماتی سفر۔ (خود نوشت وقائع)
(۳)-مولانا وحید الدین خان، احیاء اسلام، ص:۵۱، مطبوعہ گڈورڈ بک، نئی دہلی۔
(۴)-شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری۔ کتاب التصوف، ماخوذ از تعارف مولانا شاہ فضل الرحمٰن الانصاری المدنی خلیفہ مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی۔ ایضاً مقدمہ تبلیغ اسلام کے اصول اور فلسفے۔ از: خورشید احمد سعیدی، پاکستان۔
(۵)-خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام، ص:۳۲۔
(۶)-مرجع سابق، بحوالہ ماہ نامہ منارٹ (انگریزی) کراچی، شمارہ اگست ۱۹۷۳ء۔
(۷)-ہفت روزہ الفقیہ، امرت سر، ۲۸/ستمبر ۱۹۲۹ء، ص:۴۔
(۸)-خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام، ص:۲۷۔
(۹)-مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں۔ مطبوعہ ہند و پاک۔
(۱۰)-خلیل احمد رانا۔ بحوالہ ماہ نامہ منارٹ (انگریزی) کراچی، شمارہ اگست ۱۹۷۳ء۔
(۱۱)-خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام۔ وماہ نامہ اخبار اردو، اسلام آباد، شمارہ مارچ ۱۹۹۲ء۔
(۱۲)-مرجع سابق، ص:۳۴،۳۵۔
(۱۳)-ہفت روزہ الفقیہ، امرت سر، ۱۴/ جون ۱۹۳۲ء، ص:۹
(۱۴)-ماہ نامہ منارٹ، کراچی، اگست ۱۹۷۳ء۔
(۱۵)-سلطنت مصطفیٰ کا سفیر، ص:۴۰، مولفہ مولانا نسیم اشرف حبیبی، ڈربن، ساؤتھ افریقہ۔
(۱۶)-تذکرہ اکابر اہلِ سنت، مولانا عبدالحکیم شرف قادری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء
(۱۷)-سلطنت مصطفیٰ کا سفیر مولانا نسیم اشرف حبیبی، ڈربن، ساؤتھ افریقہ۔
(۱۸)-محمد صادق قصوری، اکابر تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص:۱۴۴۔
(۱۹)-خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام، ص:۵۰۔
(۲۰)-انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، ماہ نامہ ترجمان اہلِ سنت کراچی، شمارہ اگست ستمبر ۱۹۷۲ء
(۲۱)-اس تقریر کا اردو ترجمہ "حقیقی مسرت کی تلاش" کے نام سے ماہ نامہ ترجمان اہلِ سنت کراچی نے مئی ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع کیا۔
(۲۲)-خلیل احمد رانا، مبلغ اسلام، ص:۵۳، ۵۴، بحوالہ امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، از: مولانا یٰسین اختر مصباحی، مطبوعہ کراچی۔
(۲۳)-ذکرِ حبیب، از مبلغ اسلام، مطبوعہ المرکز الاسلامی، بی بلاک، شمالی ناظم آباد، کراچی۔
(۲۴)-مقدمہ تبلیغ اسلام کے اصول اور فلسفے، از: خورشید احمد سعیدی، پاکستان۔

نقشِ حیات

مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ

حیات و خدمات

مولانا عبد الغفار اعظمی

نام، نسب اور وطن مالوف: نصر اللہ رضوی مصباحی ابن محمد یونس برکاتی ابن عبد الرحیم۔ آپ کی ولادت اپنے وطن مالوف آستانہ بھیرہ، پوسٹ ولید پور، ضلع مئو (یو پی) میں ہوئی ، تاریخ ولادت ۳؍رجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۹۵۶ء ہے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم (پرائمری و فارسی) مقامی مدرسہ رحیمیہ، آستانہ بھیرہ میں حاصل کی۔ پرائیویٹ طور سے ابتدائی عربی کی کتابیں بھی پڑھ لی تھیں۔ ۱۲؍سال کی عمر میں ۱۹۶۸ء میں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ میں داخلہ لیا۔ استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے زیرِ سایہ بڑی محنت اور دل جمعی کے ساتھ آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اور ۱۹۷۴ء میں ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کے جشن افتتاح کے موقع پر فارغ ہوئے اور دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔

تدریس: فراغت کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے اور سب سے پہلے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم سے مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم، ادری ضلع مئو میں صدر المدرسین کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۹۷۶ء میں وہاں سے دار العلوم غوثیہ نظامیہ، ذاکر نگر، جمشید پور، بہار (موجودہ جھارکھنڈ) بہ عہدۂ صدر المدرسین منتقل ہو گئے۔ پھر ۱۹۷۸ء میں اپنے وطن مالوف سے قریب مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو، تشریف لے آئے اور تا حیات وہیں دینِ متین کی خدمت میں مصروفِ عمل رہے۔ بڑی مستعدی سے اپنے متعلقہ فرائض انجام دیتے اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی روا نہ رکھتے۔ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں آپ کی خدمات ۳۵؍سالوں پر محیط ہیں۔

خصائل: رب کائنات نے آپ کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ ذہین وفطین اور باصلاحیت عالمِ دین ہونے کے ساتھ نیک طینت خوش مزاج، ہنس مکھ، خلیق، خوش گفتار، مرنجاں مرنج، ظریف، کم گو، پاک باز اور انتہائی مہمان نواز تھے۔ لکھنے پڑھنے سے دل چسپی رکھتے، تضییعِ اوقات سے گریز کرتے، محنت و جفاکشی ان کا شیوہ تھا، تحقیق و جستجو ان کی عادت تھی۔

مدارسِ دینیہ میں مروج تمام علوم پر دست گاہ رکھتے تھے، متعلقہ مضامین میں سے کسی بھی فن کی کتاب بے تکلف پڑھانے پر قادر تھے، آپ کے تلامذہ اور اکتساب فیض کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو آپ کے علم وفضل کے مداح ہیں۔

تصنیف وتحشیہ: آپ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات میں۔

(۱) برکات السراج لحل اصول السراجیہ، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ علمِ فرائض کی نہایت اہم اور جامع کتاب ''سراجی'' پر عربی زبان میں حاشیہ ہے۔ ایسا عمدہ حاشیہ جس سے کتاب کے تمام مغلقات حل ہو جاتے ہیں۔

(۲) اسی فن میں ایک دوسری کتاب جو ''رسم الفرائض'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں نہایت آسان اور کار آمد کتاب ہے۔ تمرینات اور مشقی سوالات نے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کتاب ''سراجی'' کے ساتھ ۲۰۰۲ء میں مجلسِ برکات الجامعۃ الاشرفیہ کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔

(۳) ایضاح حقیقت، یہ کتاب ''شرح حقیقت محمدیہ'' فارسی کا اردو ترجمہ ہے۔ تصوف میں معرکہ آرا کتاب ہے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے جس کے مصنف حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین احمد علوی گجراتی علیہ الرحمہ (م ۹۹۸ھ) ہیں۔ اس کی شرح فارسی زبان میں علامہ شیخ عبد العزیز خالدی (م: ۱۰۳۰ھ) نے لکھی۔ پھر اس کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا شرف حضرت رضوی صاحب علیہ الرحمہ کو حاصل ہوا۔ سالکانِ راہِ طریقت کے لیے یہ کتاب مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی

استاذ مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو

ہے۔ اپریل ۲۰۱۰ء میں یہ کتاب "المجمع الاسلامی" مبارک پور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

(۴) "سیدنا عبد الوہاب جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن بغداد یا ناگور؟" کے نام سے ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب آپ نے ترتیب دی جو ۲۰۰۸ء میں "المجمع الاسلامی" سے چھپی۔ اس کتاب میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ سیدنا عبدالوہاب جیلانی کا مدفن کہاں ہے؟ بغداد میں یا ناگور میں؟ بعض تاریخ نگاروں نے ناگور میں ہونا بتایا ہے، لیکن مولانا موصوف تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں اس کو غلط ثابت کرتے ہوئے اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ سیدنا عبد الوہاب جیلانی کا مدفن ناگور نہیں بلکہ بغداد ہے۔

(۵و۶) شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی دو مشہور زمانہ کتابیں "گلستاں" اور "بوستاں" جو زمانۂ قدیم سے اسلامی دینی درس گاہوں میں داخلِ نصاب ہیں، ان کے بہت سے تراجم اور حواشی منظرِ عام پر آئے۔ حضرت رضوی صاحب علیہ الرحمہ نے ان پر اردو زبان میں ایسا شان دار حاشیہ تحریر فرمایا کہ پڑھانے والے اساتذہ کا بیان ہے کہ اس حاشیہ کو دیکھ لینے کے بعد کسی شرح کے دیکھنے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ ایک کا نام "بہارِ جاوداں" حاشیہ گلستاں ہے اور دوسری کا نام "ضوفشاں" حاشیہ بوستاں ہے۔ یہ دونوں کتابیں مجلس برکات سے چھپتی رہتی ہیں۔

مقالہ نگاری: مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا شہرۂ آفاق شعبہ ہے، جس کا قیام ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں عمل میں آیا۔ مولانا موصوف اسی وقت سے مجلسِ شرعی سے منسلک ہوئے اور آخر دم تک اس پر قائم رہے۔ ابتدائی دو ایک سیمیناروں کو چھوڑ کر آپ نے ہر سیمینار کے لیے وقیع مقالے تحریر فرمائے، جن مقالوں کی فہرست مل سکی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی (۲) دوامی اجارہ (۳) اعضا کی پیوند کاری (۴) غیر مسلم ممالک میں جمعہ و عیدین کا قیام (۵) ہائر پرچیز (۶) چھت سے سعی وطواف (۷) بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نام زدگی کی شرعی حیثیت (۸) فلیٹوں کی خرید وفروخت کے جدید طریقے (۹) فقدانِ زوج کی مختلف صورتوں کے احکام (۱۰) فسخِ نکاح بوجہِ تعسرِ نفقہ (۱۱) مصنوعی سیارہ اور رویتِ ہلال (۱۲) قضاہ اور ان کی حدودِ ولایت (۱۳) تقلیدِ غیر کب جائز اور کب ناجائز (۱۴) مسائلِ حج (۱۵) دنیا کی حکومتیں اور ان کی شرعی حیثیت (۱۶) روزے کے دنوں میں کان اور آنکھ میں دوا ڈالنے کا حکم (۱۷) بیت المال اور مسلم اسکول و کالج کے لیے تحصیلِ زکوۃ (۱۸) تحصیلِ صدقات پر کمیشن کی تنقیح (۱۹) طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط (۲۰) مساجد میں مدارس کا قیام (۲۱) میچول فنڈ کی شرعی حیثیت (۲۲) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت (۲۳) درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم (۲۴) جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم (۲۵) غیر رسم عربی میں قرآن کریم کی کتابت (۲۶) فلیٹوں کی حیثیت زکاۃ کے نقطۂ نظر سے (۲۷) طویلے کے دودھ اور جانوروں کا مسئلہ (۲۸) مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کے اخراجات کا انتظام (۲۹) مجوزہ فلیٹوں کی سلسلے وار بیع (۳۰) اپنی میشن کا شرعی حکم (۳۳) برقی کتابوں کی خرید وفروخت (۳۴) زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال (۳۵) انٹرنیٹ کے شرعی حدود (۳۶) ڈی این اے ٹیسٹ اور اس کی تبدیلی اسلامی نقطۂ نظر سے (۳۷) مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں (۳۸) بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں (۳۹) چلتی ٹرین میں فرض نماز کا حکم (۴۰) انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات شرعی نقطۂ نظر سے (۴۱) جینیٹک ٹیسٹ کا حکم۔

دیگر رسائل و جرائد میں چھپنے والے مضامین اور امین شریعت ٹرسٹ فقہی کونسل دہلی کے مقالے ان کے علاوہ ہیں۔

المجمع الاسلامی: المجمع الاسلامی کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ کے پورب محلہ ملت نگر، مبارک پور میں ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۴ء میں زمین کی خریداری اور اس پر تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔

مولانا موصوف چوں کہ فنِ تعمیر سے بھی دل چسپی رکھتے تھے اور زمین کی پیائش کا بھی علم رکھتے تھے، چناں چہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے زمین کی پیائش کی اور تعمیر کے لیے اولاً بنارس کے ایک ماہر انجینئر سے نقشہ بنوایا گیا۔ لیکن اس کی تعمیر کے دوران مولانا موصوف اس میں مناسب ترمیم فرماتے اور اپنی نگرانی میں المجمع الاسلامی کی جملہ عمارتوں کی تعمیر کراتے رہے، کاریگروں کو ہدایت دینا، ان کے کاموں کی دیکھ بھال کرنا، حساب و کتاب، لین دین، تعمیری سامانوں کی خریداری گویا اس کے جملہ انتظامات انھیں کے سپرد تھے، جب کہ اس کام میں راقم الحروف (عبد الغفار اعظمی) بھی ان کے شانہ بہ شانہ رہا۔ انھوں نے المجمع الاسلامی کا ہر کام نہایت ذمہ داری، دیانت داری، اور حسن انتظام کے ساتھ خالصاً للہ انجام انجام دیا۔ فجزاء اللہ خیر الجزاء۔

اساتذہ: آپ کا شمار استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ

والرضوان کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ دیگر اساتذۂ کرام کے اسما درج ذیل ہیں۔

(۲) حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ (۳) قاضی شریعت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ (۴) بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ (۵) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، چند مشاہیر تلامذہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں جو مختلف دیار و امصار میں علمِ دین کی شعاعیں پھیلا رہے ہیں۔

(۱) مفتی آل مصطفیٰ، استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی (۲) مولانا اعجاز انجم لطیفی، جامعہ منظر اسلام بریلی (۳) مولانا قاضی شہید عالم، جامعہ نوریہ بریلی (۴) مولانا احمد القادری سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مقیم حال امریکہ (۵) مولانا جمال اشرف، استاذ جامعہ اظہار العلوم، جہانگیر گنج (۶) مولانا اختر حسین فیضی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (۷) مولانا سید محمد فاروق رضوی، استاذ جامعہ حنفیہ غوثیہ، بنارس (۸) مولانا ابوالوفا بھیروی، استاذ مدرسہ حق الاسلام، بستی (۹) مولانا رونق احسان، بانی و مہتمم مدرسہ گلشن ابراہیم، پٹنہ (۱۰) مولانا مسیح اللہ فیضی، استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ (۱۱) مولانا سلطان احمد، استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ (۱۲) مولانا محمد مرتضیٰ استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ (۱۳) مولانا کاشف رضا استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ (۱۴) مولانا زبیر القادری استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ (۱۵) مولانا ابرار احمد، کٹیہار (۱۶) مولانا رفیق عالم گریڈیہ (۱۷) مولانا محمد شمیم، گریڈیہ (۱۸) مولانا محمد یوسف، مدھوپور۔

تعلیمی لیاقت: منشی، منشی کامل، مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب، فاضلِ طب (الہ آباد عربی و فارسی امتحانات بورڈ، اتر پردیش) ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل (جامعہ اردو علی گڑھ)

بیعت و ارادت: آپ شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاج دار اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلہ قادریہ میں داخل ہوئے۔

اولاد امجاد: آپ کے چار صاحب زادے ہیں

(۱) شاہد رضا یزدانی (۲) حامد رضا یزدانی [یہ دونوں صاحب زادے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کاروبار میں لگ گئے۔] (۳) مولانا حافظ شاداب رضا حلیمی (۴) مولانا احمد رضا دانش مصباحی۔ ان کے علاوہ پانچ صاحب زادیاں اور ایک بیوہ آپ نے وارث چھوڑے۔

وصال: ۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۹؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر قبل فجر سوا چار بجے آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

وصال سے قبل آپ مجلس شرعی کے اکیسویں فقہی سیمینار کے لیے مقالوں کی تیاری میں مصروف تھے اور تین موضوعات (۱) رشوت سے آلودہ ماحول (۲) جدید ایجادات (۳) بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم پر مواد کی فراہمی اور مسودہ کا کام کر چکے تھے۔

۷؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات متعلقہ کاغذات اور کتابیں لے کر آپ مدرسہ سے گھر گئے۔ ارادہ تھا کہ وہیں مبیضہ کا کام کریں گے۔ جمعہ کے دن ۸؍ نومبر ۲۰۱۳ء کو کچھ طبیعت بوجھل ہوئی، لیکن آپ نے اس کا اظہار نہ فرمایا۔ معمول کے مطابق گھر کے کاموں میں لگے رہے۔ بعد نمازِ عشا سانس لینے میں پریشانی ہونے لگی اور رفتہ رفتہ پریشانی بڑھنے لگی، صاحب زادگان میں شاید رضا یزدانی اور حامد رضا ناصر موجود تھے۔ وہ فوراً محمد آباد ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ وہاں کے ڈاکٹر نے اعظم گڑھ لے جانے کی رائے دی۔ اعظم گڑھ امراضِ قلب کے ایک ماہر کے پاس پہنچے، سوے اتفاق کہ ان سے ملاقات نہ ہوئی۔ وہاں سے ایک دوسرے ڈاکٹر کے اسپتال میں لے جایا گیا، صبح کے ۴؍ بج چکے تھے، ڈاکٹر نے علاج شروع ہی کیا تھا کہ پیغامِ اجل آ گیا اور سوا چار بجے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

نمازِ جنازہ و تدفین: اسی دن بعد نمازِ ظہر دو بجے صدر العلما خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں کی تعداد میں علما، طلبہ اور عامۂ مسلمین نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ جنازے کے بعد مولانا موصوف علیہ الرحمہ کی ہی زمین کے ایک حصہ میں سپرد خاک کیا گیا جو ان کے رہائشی مکان سے جانبِ شمال واقع ہے۔

تعزیت: تعزیت کے کلمات محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی نے پیش کیے اور ایصالِ ثواب کیا۔

☆☆☆☆☆

آمدِ رسول کی بشارت قبلِ ولادت

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

سبق (۴): نبی ختمی مرتبت جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ۱۲/ ربیع الاول/ ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء کو صبح صادق کے وقت، پیر کے دن مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر آمنہ بنت وہب کے مبارک بطن سے جلوہ آرائے جہاں ہوئے اور چالیس سال کی عمر میں نبوت کا اعلان فرمایا، لیکن آپ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی علماے یہود نے اپنے علم کی روشنی میں اس بات کی آگاہی دے دی تھی کہ عن قریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، آپ کے بعد نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند ہو جائے گا، اب تک تو طریقہ یہ تھا کہ ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مگر یہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے، مکہ میں پیدا ہوں گے، ان کی قوم انھیں ستائے گی، مدینے کی طرف ہجرت کریں گے، اور وہاں سے ان کے دین کو قوت ملے گی وغیرہ وغیرہ۔

جب آپ کی بعثت ہوئی تو کچھ خوش نصیب آپ پر ایمان لا کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے اور بیش تر نے مخالفت کے لیے کمر کس لی اور زندگی بھر درپے آزار رہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کی تحریروں میں بھی محمد عربی ﷺ کی ولادت سے قبل کی بشارتوں کے نقوش ملتے ہیں، ان کا ایک مختصر انتخاب قارئین کی خدمت میں پیش ہے:

بشارتِ ولادتِ رسول: حضرت کعب احبار سے راوی انھوں نے فرمایا، میرے باپ توراۃ کے ایک زبردست عالم تھے۔ اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا۔ وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے، جب مرنے لگے، مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تم سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق روک رکھے ہیں، ان میں ایک نبی کا بیان ہے، جس کی بعثت کا زمانہ قریب آپہنچا ہے۔ میں نے اس اندیشے سے تجھ سے ان دو ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو تو اس کی نے اس میں دو اوراق رکھ

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

کر اوپر سے مٹی لگا دی ہے۔ ابھی ان سے تعرض نہ کرنا، نہ انھیں دیکھنا، جب وہ نبی جلوہ فرما ہو، اگر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ مر گئے۔ ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے، مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا۔ میں نے طاق کھولا، ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے:

محمد رسول الله خاتم النبيين لا نبي بعده مولده بمكة و مهاجرة بطيبة . الحديث.

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، سب انبیا کے خاتم، ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی جاے پیدائش مکے میں اور ہجرت کی جگہ مدینہ ہے۔

محمد نام کیوں؟ خلیفہ بن عبدہ سے راوی میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا جاہلیت میں کہ ابھی اسلام نہ آیا تھا، تمھارے باپ نے تمھارا نام محمد کیوں رکھا۔ میں نے اپنے باپ سے اس کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ بنی تمیم سے ہم چار آدمی سفر کو گئے تھے، ایک میں، اور سفیان مجاشع بن دارم اور عمر بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک جب ملک شام میں پہنچے ایک تالاب پر اترے، جس کے کنارے پیڑ تھے، ایک راہب نے اپنے دَیر سے ہمیں جھانکا اور کہا تم کون ہو۔ ہم نے کہا اولادِ مضر سے کچھ لوگ ہیں۔ کہا:

اما انه سوف يبعث منكم نبي فسارعوا اليه وخدوا بحظكم منه ترشدوا فإنه خاتم النبيين.

سنتے ہو، تم میں سے عن قریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، تم اس کی طرف دوڑنا اور اس کی خدمت و اطاعت سے بہرہ یاب ہونا کہ وہ سب میں پچھلا نبی ہے۔

ہم نے کہا اس کا نام پاک کیا ہوگا، کہا: محمد (ﷺ)۔ جب ہم اپنے گھروں کو واپس آئے سب کے ایک ایک لڑکا ہوا، اس کا نام محمد رکھا۔

قبل از ولادت شہادتِ ایمان: زید بن عمرو بن نفیل (جو ان دس آدمیوں سے ہیں جنھیں رسولِ اعظم ﷺ نے جنت کی

بشارت دی) سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں، عہدِ جاہلیت میں موحد مومن تھے، طلوعِ اسلام سے پہلے انتقال کیا، مگر اسی زمانے میں توحیدِ الٰہی اور رسالتِ ختمی پناہی ﷺ کی شہادت دیتے۔

ابن سعد و ابونعیم حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا، مکہ معظّمہ سے کوہِ حرا جاتے تھے، انھوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودانِ باطل سے جدائی کی تھی، اس پر آج ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہو چکی تھی۔ مجھے دیکھ کر بولے، اے عامر، میں اپنی قوم کا مخالف اور ملتِ ابراہیم کا پیرو ہوں۔ اسی کو معبود مانتا ہوں، جسے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پوجتے تھے۔ میں ایک نبی کا منتظر ہوں، جو بنی اسماعیل اور اولادِ عبد المطلب سے ہوں گے۔ ان کا نامِ پاک احمد ہے۔ میرے خیال میں میں ان کا زمانہ پاؤں گا، میں ابھی ان پر ایمان لاتا، اور ان کی تصدیق کرتا، ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں، تمھیں اگر اتنی عمر ملے کہ انھیں پاؤ تو میرا اسلام انھیں پہنچانا۔ اے عامر میں تم سے ان کی نعت وصفت بیان کیے دیتا ہوں کہ تم خوب پہچان لو، درمیانہ قد ہیں، سر کے بال کثرت و قلت میں معتدل، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے، ان کے شانوں کے بیچ میں مہرِ نبوت ہے، ان کا نام احمد اور یہ شہر ان کا مولد ہے۔ یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی، ان کی قوم انھیں مکہ میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا۔ وہ ہجرت فرما کر مدینہ جائیں گے، وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا، دیکھو، تم کسی دھوکے فریب میں آکر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلغت البلاد کلھا لطلب دین ابراھیم و کل من اسأل من الیھود والنصاریٰ والمجوس یقول ھذا الدین وراءك وینعتونه مثل مانعته لك ویقولون لم یبق نبی غیرہ.

کہ میں دینِ ابراہیمی کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا، یہود و نصاریٰ، مجوس جس سے پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمھارے پیچھے آرہا ہے، اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اور سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور خاتم الانبیا علیہ وعلیہم الصلاۃ والثنا کی نبوت ظاہر ہوئی، میں نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کیں، حضور نے ان کے حق میں دعاے رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا:

قد رأیته فی الجنة یسعب ذیله.

میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔

مقوقس شاہِ مصر کی تصدیقِ ولادت: امام واقدی و ابونعیم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث طویل ملاقات مقوقس بادشاہ مصر میں راوی، جب ہم نے اس نصرانی بادشاہ سے حضور اقدس ﷺ کی مدح و تصدیق سنی، اس کے پاس سے وہ کلام سن کر اٹھے جس نے ہمیں محمد ﷺ کے لیے ذلیل و خاضع کر دیا، ہم نے کہا سلاطینِ عجم ان کی تصدیق کرتے اور ان سے ڈرتے ہیں حالاں کہ ان سے کچھ رشتہ اور علاقہ نہیں اور ہم تو ان کے رشتہ دار ان کے ہم سائے ہیں وہ ہمارے گھر ہمیں دین کی طرف بلانے آئے اور ہم ابھی ان کے پیرو نہ ہوئے، پھر میں اسکندریہ میں ٹھہرا، کوئی گرجا، کوئی پادری قبطی خواہ رومی نہ چھوڑا جہاں جا کر محمد ﷺ کی صفت جو وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں نہ پوچھی ہو۔ ان میں ایک پادری، قبطی سب سے بڑا مجتہد تھا، اس نے پوچھا:

"ھل بقی من الانبیاء" آیا پیغمبروں میں سے باقی ہے۔

وہ بولا۔ "نعم ھو الاٰخر الانبیاء لیس بینه و بین عیسیٰ نبی قد امر عیسیٰ باتباعه و ھو النبی الامی العربی اسمه احمد"

ہاں ایک نبی باقی ہیں وہ سب انبیا سے پچھلے ہیں ان کے اور عیسیٰ کے بیچ میں کوئی نبی نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی پیروی کا حکم ہوا ہے۔ وہ نبی امی عربی ہیں، ان کا نامِ پاک احمد (ﷺ) ہے۔

پھر اس نے حلیہ شریف و دیگر فضائل لطیفہ ذکر کیے، مغیرہ نے فرمایا اور بیان کر کے اس نے اور بتائے اور کہا "یخص بما لم یخص به الانبیاء قبله کان النبی یبعث الی قومه و بعث الی الناس کافة "

انھیں وہ خصائص عطا ہوں گے جو کسی نبی کو نہ ملے، ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے، وہ تما لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ مغیرہ فرماتے ہیں، میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آکر اسلام لایا۔

(اقتباس از جزاء اللہ عدوہ بابائه ختم النبوۃ، از امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ)

☆☆☆

بابری مسجد کی شہادت کے بیس برس

صابر رضا رہبر

۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کا وہ دن کتنا منحوس رہا ہو گا جب حکومت کے سہارے دن کے اجالے میں ایک تاریخی مسجد کی حرمت کو پامال کیا گیا، اس کے اونچے اونچے فلک بوس گنبد و مینار پر کلہاڑی اور ہتھوڑے چلائے گئے ۔ اس کے پاک و مقدس صحن میں رقص ابلیس کی بزم سجائی گئی ۔ یقیناوہ دن دنیائے انسانیت کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ بات صرف بابری مسجد کی شہادت کی ہی نہیں ہے بلکہ جو آگ ایودھیا میں بھڑکا گئی تھی اس کی لپیٹ میں پورا ملک آگیا تھا، ملک کے کونے کونے میں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑے اور قانون کے رکھوالوں کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی ۔ ممبئی، میرٹھ ، سیتامڑھی ، فتح پور ،ریگا، بھاگل پور اور مرادآباد ، وغیرہ کی دل خراش داستان کو سن کر آج بھی انسانیت کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔

شہادت بابری مسجد پر کانگریس کبھی سنجیدہ نہیں رہی، بابری مسجد کی شہادت کے بیس برس ہو گئے ۔ اس کی تفتیش کے لئے سابق وزیر اعظم نرسمہاراؤ کے ذریعہ قائم کردہ جسٹس لبراہن کمیشن نے بھی ۴۸/ بار توسیع کے بعد اپنی رپورٹ جولائی ۲۰۰۹ میں حکومت کے سپرد کردی لیکن اتنی اہم اور ایسے نازک معاملہ کی رپورٹ کو وزیر اعظم منموہن سنگھ کی غیر موجودگی میں پی چدمبرم نے اپنی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں پیش کیا ۔اس بحث سے قطع نظر کہ اس رپورٹ میں جسٹس لبراہن نے جو کچھ کہا ہے اس کی نوعیت انصاف و دیانت کے اعتبار سے کس طرح کی ہے ہم یہاں اس رپورٹ کے ذریعہ ٹھہرائے گئے ان ملزمین کے بارے میں بات کرتے ہیں جو ایک سیکولرزم کے علمبر دار ملک کی زمام سیاست اپنی ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھے اور ہیں۔

رپورٹ میں جسٹس لبراہن نے بی جے پی، شیوسینا اور وشو ہندو پریشد سمیت دیگر ہندوتوادی انتہا پسند تنظیموں کے کل ۶۸/ افراد کو شہادت بابری مسجد کا مجرم گردانا ہے جس میں بی جے پی کے معمر رہنما اٹل بہاری واجپئی ، لاکرشن اڈوانی ، ونے کٹیار ، اوما بھارتی ، آر ایس ایس کے سدرشن، وی ایچ پی کے پروین توگڑیا ، اشوک سنگھل ، شیوسینا کے بال ٹھاکرے، اتر پردیش کے سابق وزیر اعلی کلیان سنگھ اور کانگریس کے شنکر سنگھ واگھیلا کے علاوہ کئی کانگریسی ممبران کے نام بھی شامل ہیں۔ جسٹس لبراہن نے اپنی سترہ سالہ طویل مدت کے اندر کروڑوں روپے خرچ کر کے اس رپورٹ میں جو کچھ عیاں کیا تھا اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی ۔ یہ ساری چیزیں اوران ملزمین کے نام چہرے کے ساتھ کل بھی سورج کی طرح عوام کے سامنے ظاہر تھے۔ رپورٹ کی اہمیت کو اس لئے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ان ملزمین کے خلاف یہ ایک دستاویزی ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے ۔ رپورٹ پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کسی بھی صاحب نظر کے لئے یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے کہ جسٹس لبراہن نے اس رپورٹ میں غیر جانب داری سے کام لیا ہے کیوں کہ انہوں نے جہاں بابری مسجد کی شہادت کے لیے اٹل بہاری واجپئی کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے وہیں اس وقت کے کانگریسی وزیر اعظم آنجہانی نرسمہاراؤ کو اس سے بری قرار دیا ہے حالاں کہ سچ بات یہی ہے کہ نرسمہا راؤ سرکار ہی اس کی اصل مجرم ہے۔کیوں کہ اگر بابری مسجد کو بچانا چاہتی تو ہرگز اس کے تقدس سے چھیڑ چھاڑ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لہذا قطعی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس میں نرسمہارائو سرکار کی منشا بھی شامل رہی ہے ، اس لئے بابری مسجد کی شہادت کے لئے جتنے ذمہ دار اٹل بہاری ہیں اس سے کہیں زیادہ قصوروار نرسمہاراؤ ہیں ۔ بابری مسجد کی شہادت کے بیس برس گزر گئے مگر آج بھی اس کے مسمار گنبد و مینار انصاف کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اب جب کہ ایک دستاویزی شکل میں بابری مسجد کے گہنہ گاروں کے نام حکومت کے سامنے ہیں اور اس کے مجرمین اپنی اس گھناؤنی حرکت پر شرمسار ہونے کے بجائے ببانگ دہل اس پر فخر کرتے نظر آرہے ہیں اور کھلے طور پر اعتراف جرم کر رہے ہیں اب تو چاہیے کہ یو پی اے حکومت لاج شرمے ہی سہی انصاف کا بھرم رکھ لے تاکہ جمہوریت کا چہرہ مزید داغ دار نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یو پی اے سرکار ایسا کر سکتی ہے ؟ اگر ہاں ! تو

سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ

سب سے پہلے چاہئے کہ یو پی اے چیئرپرسن محترمہ سونیا گاندھی اور وزیر اعظم منموہن سنگھ اپنے ان کانگریسی ممبران کو اپنی پارٹی سے برخاست کرکے ان کے خلاف کاروائی کرے جو بابری مسجد کی شہادت کے مجرم ہیں ؟اور اسی طرح بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی نسل کشی کی منظم کارروائیوں کے مجرم ہیں مثلاً ممبئی فسادات کی جسٹس سری کرشنا رپورٹ میں جن کی حیوانیت کے دستاویزی ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔

شہادت بابری مسجد کی تحقیق کیلئے لبراہن کمیشن کے قیام کی قطعی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ ویڈیو فوٹیج کے ذریعہ ان کے چہرے آسانی سے پہچانے جاسکتے تھے اور مجرمین خود اپنے خلاف کھلے عام گواہی دے رہے تھے۔ سیکڑوں بار ایل کے اڈوانی، بال ٹھاکرے، کلیان سنگھ، اوما بھارتی اور دیگر مجرموں نے شہادت بابری مسجد میں اپنی شمولیت کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ اس پر فخر ومباہات کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس کے بعد ہی ثبوت کے لیے کسی کمیشن کے قیام کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

یو پی اے اور این ڈی اے دونوں نے مشترکہ طور پر بابری مسجد کے معاملہ کو زلف گرہ گیر کی طرح الجھا کر سیاسی مقاصد کی تکمیل کیلئے گوناگوں تجربے کئے اور اب بھی کر رہے ہیں اور اس معاملے میں مسلمان کوئی منطقی نظریہ اپنانے کی بجائے بار بار دھوکہ کھاتے رہے ۔سچ بات تو یہی ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کا معاملہ مذہبی سے زیادہ قانون شکنی اور جمہوریت پر حملہ کا تھا لیکن مسلمانوں کی غیر ضروری دل چسپی اور غیر دور اندیشی نے اسے خالص مذہبی بنادیا۔

قانون سازیہ اور عدلیہ کا کام تھا کہ وہ جمہوریت کی عزت اور انصاف کی بالادستی کو کیسے قائم کرے لیکن اس پر دھیرے دھیرے مذہبی اور سیاسی رنگ غالب آگیا پھر معاملہ اتنا پیچیدہ ہوگیا ہے کہ عدالت کے لیے بھی کسی ایک حق میں فیصلہ کرنا ملک کو کشت وخون میں تبدیل کرنے جیسا ہے۔ یہی وجہ ہے الہ آباد ہائی کورٹ کے سہ رکنی بینچ کے دو ججوں نے اپنے فیصلہ میں اسے تین حصوں میں منقسم کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو چاہئے وہ بابری مسجد کے نام پر سیاسی آلہ کار بننے کی بجائے کوئی منطقی طریقہ کار اختیار کرے۔ کیوں کہ بابری مسجد کی شہادت محض اینٹ گارٹھے سے بنائی گئی مذہبی عمارت کے انہدام کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک تہذیب کے مارنے اور مرجانے کی داستان ہے۔

یہ جانتے ہوئے کہ انصاف میں تاخیر اس کے قتل کے مترادف ہے بیس برس کا طویل عرصہ گزار دیا گیا، دوسری طرف اس کی ملکیت اراضی کا معاملہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے اور اب دیکھنا ہے کہ ہندستان کی سب سے بڑی عدالت انصاف وجمہوریت کی لاج کس طرح بچاتی ہے؟ انصاف کا خون کرنے والوں کو کب سزا ملے گی، اس تعلق سے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں جاسکتا، عدالت کا آخری فیصلہ آنے تک شاید ایک ایک کرکے سارے مجرم پرلوک سدھار چکے ہوں گے۔ ***

مودی کسی بھی صورت میں مسلمانوں کو قبول نہیں

مولانا محمد ناصر مصباحی

ملک میں کئی ایک صوبائی الیکشن کے ساتھ عام انتخابات بھی آنے والے ہیں، سیاسی پارٹیاں ووٹروں کو لبھانے میں مصروف ہیں، انتخابات کے سرگرم مدعوں پر بحث جاری ہے، البتہ اس الیکشن کے کئی اہم پہلوؤں میں خاص بات بی جے پی کی طرف سے نریندر مودی کو پی ایم کا امیدوار بنایا جانا ہے، بی جے پی کی مسلم مخالف پالیسی مشہور ہے، وہ آر ایس ایس کے زیر سایہ انتخابات لڑتی اور حکومت کرتی ہے جو ایک فرقہ پرست تنظیم ہے، نریندر مودی کو پی ایم بنائے جانے کی تجویز بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ یہ تجویز سیکولر ہندوستانیوں کے لیے قابلِ غور ہے۔

نریندر مودی پر سب سے بڑا الزام گجرات قتل عام کا ہے، مودی نے سرکاری سرپرستی میں ۲۰۰۲ میں زبردست مسلم نسل کشی کرائی، اُنھوں نے اِس کے لیے اپنی حکومت کے بعض وزرا، اور آئی پی ایس افسران تک کا استعمال کیا، مختلف ضرورتوں کے لیے کئی مرحلوں پر فرضی انکاونٹر بھی کرائے، نتیجتاً اُن کا چہرہ مسلم دشمنی کا چہرہ بن گیا۔ آج وہ ملکی بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنی اسی شناخت کے ساتھ متعارف ہیں، جس کا ثمرہ ہے کہ ملک کی کئی سیاسی پارٹیاں نریندر مودی سے واضح دوری بنائے ہوئے ہیں، اِسی طرح کئی علمی غیر سیاسی شخصیات نے نریندر مودی کی پی ایم امیدواری پر ناپسندیدگی ظاہر کی ہے جس میں امرتیہ سین جیسی خالص علمی غیر سیاسی شخصیت انتہائی قابلِ ذکر ہے۔

مودی کی یہ مخالفت محض سیاسی نہیں بلکہ اُن کی مسلم دشمنی کی شناخت کے باعث ہے۔ اُنھوں نے آج تک مسلم مخالف گجرات فساد پر احساس شرمندگی تک نہیں جتایا ہے چہ جائے کہ معافی۔ اُنھوں نے ایک موقع پر سرِعام اسٹیج پر

بعض مسلم فرقوں کے لوگوں کی طرف سے ٹوپی پہننے سے انکار کر کے عام مسلم تہذیب وثقافت سے نفرت کا اظہار کیا۔ ابھی کچھ دن ہوئے اُنھوں نے گجرات میں فساد مچانے والوں کو کار سے سفر کر رہے معزز شہری اور فساد میں مرنے والے بے گناہ مسلمانوں کو کتے کا پلّہ قرار دیا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلم دشمنی مودی کی سرشت میں داخل ہے، ملک کا سب سے بدترین فرقہ وارانہ گجرات فساد ۲۰۰۲ جو پوری شدت سے صرف مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا گیا جس کے بعد اُس وقت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی جو بی جے پی ہی کے سینئر لیڈر تھے، نے کہا کہ اب وہ کس منہ سے بیرونِ ملک کے دوروں پر جائیں گے، مودی نے اُسی گمبھیر فساد سے جڑی اپنی مکروہ شناخت پر بس نہیں کی بلکہ وہ اُس وقت سے مسلسل ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات سے کسی نہ کسی طرح کھیلتے آرہے ہیں۔

غرض نریندر مودی کا مسئلہ نہایت واضح ہے اور ہم اُس پر مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتے، سرِدست ہمیں حالیہ بعض بیانات کے تناظر میں کچھ خالص سیاسی مسلم لیڈران کی خدمت میں عموماً اور قوم وملت کی سیاسی وملی قیادت کا جذبہ لے کر میدان میں اُترنے والے بعض سینئر مسلم علما سے خصوصاً عرضِ مدعا کرنا ہے کہ وہ کسی بھی جگہ مودی کے مسئلے پر بولتے ہوئے کامل احتیاط سے کام لیں۔ مودی کے بارے میں ہر جگہ صرف ایک بیان دیں کہ وہ مسلمانوں کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں۔ اِس میں شرط نہ لگائیں کہ موجودہ صورت میں قبول نہیں یا جب تک معافی نہ مانگیں تب تک قبول نہیں یا جب تک وہ اپنی سوچ نہ بدلیں تب تک قبول نہیں وغیرہ۔ حالیہ دنوں بعض مسلم علما کے کچھ بیانات ایسے آئے ہیں جن سے ایک عام ہندوستانی مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں تکلیف ہوئی، عام مسلمانوں کے درمیان بھی بے چینی دیکھی گئی۔ یہ علما مولانا توقیر رضا خاں بریلی، مولانا محمود مدنی دیو بند اور مولانا کلبِ صادق لکھنؤ ہیں۔

بظاہر روشن خیالی یا کشادہ ظرفی پر مشتمل بیانات پر عرض ہے کہ فرض کیجیے، مودی نے معافی مانگ لی تو کیا اُس نے گجرات فساد میں مرنے والوں کو زندہ کر دیا، مسلم عورتوں کی عصمتیں واپس لوٹا دیں، مسلمانوں کے کٹے ہاتھ پاؤں، نکلی آنکھیں، کٹے ناک کان وغیرہ دوبارہ اپنی جگہ بحال کر دیے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کیا معافی سے وہ مسلمانوں کے دل سے یہ بات نکال پائیں گے کہ اُنھوں نے گجرات میں مسلم نسل کشی کرا کے مسلمانوں کے قومی وملی جذبے کو دانستہ ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ہرگز نہیں۔ مودی کی معافی خواہی ہم پر احسان نہیں بلکہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ اُن کا اخلاقی فریضہ یا سیاسی حکمتِ عملی ہے۔

معافی مانگنے یا اپنی سوچ میں بدلاؤ لانے کے بعد مودی کے حق میں مسلمانوں کا جو فیصلہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ گجرات فساد کے ذریعے لگے اپنے زخموں کو وہ خود ہی محسوس کر لیا کریں اور اِسی پر صبر کر لیں، بار بار مودی کی تنقید یہ سوچ کر بند کر دیں کہ اب وہ اپنے کرتوت پر واقعی شرمندہ ہیں۔ مگر اِس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اِس کے بعد ہم اُنھیں اپنے سر پر بٹھانے کی دردناک غلطی کریں۔ دراصل مودی مسلمانوں کی مجسم توہین ہے، مسلم دشمنی کا سراپا مکروہ چہرہ ہے۔ مودی کو مسلمانوں کے حوالے سے جو کچھ کہا جائے، کم ہے۔

لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ مسلمانوں کو اِس میں قطعاً دلچسپی نہیں کہ وہ مودی کو معافی پر مجبور کریں کیوں کہ احساسِ شرمندگی یا معافی طلبی محض اخلاقیات اور انسانیت ہے۔ جو شخص اِس چیز کو اپنے لیے توہینِ نفس کے مرادف گردانے اور مسلمانوں کے مطالبۂ معافی کو مسلمانوں کی ذلت پسندی اور ناک گھسائی تصور کرے، ایسے حیوانِ ناطق سے مسلمان معافی مانگنے کی احمقانہ حرکت کیوں کریں گے۔ فرض کیجیے، مودی نے خود ہی معافی مانگ لی، وہ اپنی سوچ میں بھی تبدیلی لے آئے، ساتھ ہی عملی رویے میں بھی بدلاؤ کر لیا تو کیا یہ جرمِ ماقبل کا کفارہ ہے۔

بعد میں بھی مسلمان کسی چیز پر غور نہیں کریں گے، سوائے اِس کے کہ مودی پر سخت تنقید کرتے رہنے کے بجائے اُنھیں ہمیشہ کے لیے فراموش کر کے اپنے دل پر صبر کا پتھر رکھ لیں۔ ملک میں بلا تفریق ذات ومذہب سیکولر سیاسی لیڈران کی کمی نہیں، متعدّد سیکولر سیاسی پارٹیاں بھی ہیں، یہی سب ہمارے لیے متبادل ہیں۔ ہم مودی پر کوئی سمجھوتہ نہیں چاہتے، یہی ہم تمام ہندوستانی مسلمانوں کا آخری فیصلہ ہے۔ ہمارے لیے ذلت کے حلوے سے عزت کی جو کی سوکھی روٹی بہتر ہے۔ ہم ضمیر کے اتنے گرے انسان نہیں۔ ہماری قومی عزتِ نفس ابھی زندہ ہے۔ ہمیں نہیں پتا کہ سیاسی سطح پر ہمارے بعض قومی وملی نمائندگان نے "تو ہم بھی غور کر سکتے ہیں" سے کیا مراد لی ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ مودی تو معافی مانگنے یا مسلم مخالف ذہنیت تبدیل کرنے کی بات نہیں کرتے اور ہمارے لیڈران خود بہ خود کہے جا رہے ہیں کہ مودی معافی مانگ لیں یا مودی مسلم مخالف ذہنیت تبدیل کر لیں تو ہم بھی غور کرنے کو تیار ہیں۔ میڈیا والوں کے سوالات کی بات ہے تو کیا وہ آج کل ساری دنیا کو چھوڑ کر ہمارے اِن دو چار لیڈران ہی کے پاس چکر لگا رہے ہیں، کیا وہ نریندر مودی سے اِس طرح کے سوالات نہیں کرتے ہوں گے۔ نریندر مودی کی طرف سے کبھی یہ بات سامنے نہیں آتی کہ وہ معافی مانگنے یا وہ اپنی ذہنیت اور عملی رویے میں تبدیلی لانے کو تیار ہیں یا اُنھیں مسلم مخالف گجرات فساد پر شرمندگی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نریندر مودی معافی چاہتے، بار بار چاہتے، مسلم علما اور عوام کے بیچ آکر معافی خواہی میں خلوصِ دل کا مظاہرہ کرتے، اپنے فکر وعمل میں تبدیلی لانے کا حلف اُٹھاتے، اِس کے باوجود مسلمان درگزر نہ کرتے۔ جب کہ معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ ظالم معافی مانگنے کو تیار نہیں اور مظلوم بخشنے کو تُلا

پڑا ہے۔ بظاہر ایسے بیان دیے جا رہے ہیں جیسے مودی کے بغیر چارہ نہیں، بس وہ معافی طلبی کی رسم ادا کرلیں، ہم آج سے پوری طرح اُن کے ہیں۔

بی جے پی اور اُس کی اصل ذہنیت کے نمائندہ نریندر مودی کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کو کانگریس اور کانگریسی لیڈران نے بھی کم تکلیفیں نہیں دی ہیں، کانگریس نے بعض بڑے بھیانک تاریخی زخم دیے ہیں جن کی تلافی آج بھی ممکن نہیں، کانگریسیوں کی دوہری سیاسی پالیسی سے ناچیز کے مقابلے قارئین زیادہ واقف ہیں۔ ملک میں آج بھی کانگریس برسرِ اقتدار ہے جو مجموعی طور پر مسلمانوں کے حق میں بہتر نہیں، بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر پر مسلمانوں کے متحدہ عدالتی انکوائری مطالبے کو جس بے دردی سے کانگریس نے رد کیا ہے وہ کوئی بہت پرانی بات نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے مجبوری ہے، ملک میں کوئی دوسری کم نقصان دہ سیکولر سیاسی پارٹی کانگریس جیسی بڑی نہیں، دیگر تمام سیکولر سیاسی پارٹیاں تھرڈ فرنٹ قائم کرنے میں ناکام ہیں کہ جس کو ایک آدھ بار مسلمان آزما کر دیکھ سکیں۔ اِس لیے فی الوقت کم از کم قومی سطح پر مسلمانوں کے پاس بی جے پی کے مقابلے کم نقصان دہ کانگریس کا متبادل نہیں ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔

شاید اِس مشکل کا کچھ حل یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے صوبے کی سیکولر سیاسی پارٹیوں کو مضبوط کریں، کانگریس کو صرف اتنے ووٹ دیں کہ وہ دیگر سیکولر سیاسی پارٹیوں کی حمایت لیے بغیر وزارتِ عظمیٰ کی کرسی حاصل نہ کرسکے۔ اِس حکمتِ عملی کا فائدہ ہمیں اپنے صوبوں میں بھی ملے گا اور مرکز میں بھی۔

ہاں ہمیں بی جے پی برداشت نہیں، نہ نریندر مودی ایک پل قبول ہے، بلکہ نریندر مودی مزید سخت نامقبول ہے۔ مولانا مدنی سے منسوب جو بیان بار بار اخبارات میں شائع ہوا کہ کانگریس نریندر مودی کے ذریعے ہمیں خوف نہ دلائے (اور اِس طرح ہمیں دائمی اپنا ووٹ بینک تصور نہ کرے)، تو اگرچہ یہ بات بہ نیتِ خیر کہی گئی ہے جیسا کہ امید ہے مگر اِس طرح کی بات کہتے وقت بھی یہ ذہن میں رہے کہ مودی لابی اِس طرح کی باتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا لیتی ہے۔ لہٰذا بھلی بات غیر دانستہ ہی سہی، مفید کم مضر زیادہ نہ ہو جائے۔

ویسے ہمیں احساس ہے کہ فی الوقت میڈیا مودی کے لیے سیاسی فضا ہموار کرنے میں ذاتی دل چسپی لے رہا ہے، جہاں ایک طرف وہ ووٹروں کو لبھانے کے لیے مودی کو گودوں کِھلا رہا ہے، مودی کی بلا امتیاز ہر تکی بے تکی بات کو قوم و ملک کے مسائلِ موجودہ کا فطری اور آخری حل بنا کر پیش کر رہا ہے اور مجموعی طور پر مودی کو بدحال ہندوستان کا ناخدا بنا کر سامنے لا رہا ہے، وہیں دوسری طرف مسلم قائدین کے بعض بیانات بڑی شاطرانہ ایڈیٹنگ کے ساتھ موٹی موٹی سرخی لگا کر شائع کر رہا ہے۔ مسلم قائدین کو بھی ضروری طور پر اِس کا ادراک کرنا بلکہ رکھنا چاہیے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری اِس مخلصانہ گزارش پر مسلم سیاسی قائدین توجہ دیں گے، ساتھ ہی مسلمانوں کی درست سمت سیاسی رہ نمائی بھی فرمائیں گے۔

☆☆☆☆

فاضل اشرفیہ سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی

صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تین جدید علمی کتابیں

فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت
فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے
ستر سے زیادہ مسائل سے اس کا واضح ثبوت
صفحات:........۹۶
قیمت:....۴۰روپے

چلتی ٹرین میں نماز کا حکم
فتاویٰ رضویہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں
صفحات:........۸۰
قیمت:....۴۰روپے

عصر حاضر میں مسلکِ اہلِ سنت
کی مترادف اصطلاح
مسلکِ اعلیٰ حضرت
صفحات:........۴۰
قیمت:....۲۰روپے

● تینوں کتابیں فقہ و تحقیق کا گنجینہ ہیں، آپ بھی طلب کر سکتے ہیں۔ ملنے کا پتہ ہے۔ ●

مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

جدید دنیا کے مسائل اور تصوف

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

فروری ۲۰۱۴ء کا عنوان مکتوبات نبوی کی عصری معنویت

مارچ ۲۰۱۴ء کا عنوان ۲۰۱۴ پارلیمانی انتخابات اور ہماری ذمہ داریاں

صوفیۂ کرام کے گفتار و کردار میں عالمی مسائل کا حل پوشیدہ ہے

از: مولانا محمد عارف حسین مصباحی، کنوینر تنظیم ابنائے اشرفیہ، شاخ ہوڑہ، مغربی بنگال

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں میں صوفیۂ کرام کی جماعت بڑی عظمتوں کی حامل اور خدا رسیدہ جماعت ہے جس نے خلق خدا کو اپنے علم و فن، زہد تقویٰ، خلوص و للّٰہیت اور دین داری سے اعلائے کلمۃ اللہ کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ اور اپنی بے پناہ خدا داد صلاحیت و لیاقت کی بدولت توہمات اور بت پرستی میں مبتلا قوموں کو اسلامی توحید و رسالت کے سانچے میں ڈھال کر ہر چہار سو اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔

”آمدم بر سر مطلب“ عہد جدید کے مسائل تین طرح کے ہیں“ ایک تو پوری نوع انسانی سے وابستہ ہیں دوسرے بنام مسلمان فرقوں اور گروہوں سے اور تیسرے چرند پرند اور ماحولیات سے اور اگر حقیقت پوچھو تو تیسرا مسئلہ پہلے ہی مسئلہ سے جڑا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے عہد جدید (موجودہ دنیا) پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو فرزندان آدم سمیت روئے زمین پر بسنے والی مخلوق کسی نہ کسی پریشانی سے دوچار ہے عالمی سطح پر حضرت انسان کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سب سے بڑا مسئلہ کمیونزم (خدا بے زاری اور دہریہ پن اور بے دینی) ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر پانچ لوگوں میں ایک خدا بے زاری ذہنیت کا حامل شخص ہے اس ”دہریہ مزاجی“ نے انسانوں کو مادہ پرستی اور دنیا کی ہمیشگی کا ذہن دے کر انہیں جرائم کرنے اور گناہ کرنے پر جری بنا دیا اور اگر حقیقت پوچھو تو اس نظریہ کی وجہ سے کثرت کے ساتھ مسائل پیدا ہوئے۔ مرد کا مرد سے، عورت کا عورت سے جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے باہم رضامندی سے شادی کرنا، جوا بازی، شراب نوشی، ہیروئن، چرس، گانجہ اور دیگر مہلک نشیلی داؤں کا کثرت سے مرد و زن کا استعمال کرنا۔ ان مسائل کی وجہ سے یومیہ اربوں روپے ضائع اور برباد ہوتے ہیں اور مخصوص ایام مثلاً انگریزی نئے سال کی آمد، اپریل فول یا آئی پی ایل یا ورلڈ کپ جیسے کھیل کود کے مواقع اور اب تو الیکشن میں پارٹی کی جیت اور ہار کے اعلان پر کئی ہزار کرور روپے سٹہ بازی اور شراب نوشی وغیرہ میں پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، مرد و عورت میں جنسی بے راہ روی برپا کرنے والی انٹرنیٹ پر موجود فحش اور گندی فلمیں، زناکاری اور بدکاری کا کثرت سے ہونا، عورتوں کی بڑھ رہی روز افزوں عصمت دری، اظہار رائے کی آزادی کے نام پر دوسرے مذاہب اور ان کے پیشواؤں کے ساتھ کھلواڑ کر کے ان کے ماننے والوں کے جذبات کا استحصال کرنا، بوڑھے ماں باپ کے ساتھ ”نہایت وحشیانہ“ طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے انہیں ان کے ہی ”آشیانہ“ سے بے دخل کر دینا، نابالغ بچے اور بچیوں کو تعلیم

دلوانے کے بجائے انہیں کام کاج پر لگانا، بہت سے ممالک میں اولاد آدم کا بھکمری کا شکار ہونا، مظلوم اور مجبور مثلاً فلسطین اور برما کے لوگوں کی مدد نہ کرنا، ظالم اور طاغوتی طاقتوں مثلاً صیہونی حکومت اسرائیل کی یورپین ممالک کا مدد کرنا، عالمی سطح پر روز افزوں نیوکلیائی ہتھیاروں کی دوڑ میں ایک دوسرے ملک کو پیچھے چھوڑنے کی سعی کرنا اور اس سے خارج ہو رہے ہلاکت خیز، تباہی آمیز مادوں کا خارج ہونا اور اس سے انسانوں، دیگر جانداروں اور ماحولیات پر مرتب ہو رہے برے اثرات سے عالمی رہنماؤں کا غافل اور بے پرواہ ہونا اور اس کے تدارک کے لیے سنجیدہ کوششیں نہ کرنا، مفلسی اور محتاجی کے خوف سے شکم مادر میں جنین (بچے اور بچیوں) کا قتل کرنا اور حقیقت حال کی تفتیش کیے بغیر میڈیا اور دیگر لوگوں کے پروپیگنڈہ کا شکار ہونا، وغیرہ اہم مسائل ہیں۔

مسلمانوں سے وابستہ مسائل: مذکورہ بالا بہت سے مسائل کے ساتھ ہی مسلمانوں کا ذاتی دنیوی مفاد کے حصول کے لیے بے دینی اختیار کرنا اور دوسروں کی عزت کے پرخچے اڑانا، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے حقائق کو توڑ مروڑ کر ایک دوسرے کے سامنے پیش کرنا، مسلمانوں کا اپنے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کے بجائے انہیں کورٹ اور عدالتوں میں کثرت سے پیش کر کے اپنے مال و دولت او ذہنی سکون کو ضائع کرنا، مکر و فریب، دھوکہ دہی، باہمی حسد اور جلن کا ہونا، جھوٹ، وعدہ خلافی، مدارس اسلامیہ اور دیگر محکمے میں رشوت خوری کو گناہ نہ سمجھنا، چودہ سو سالہ درست اسلامی عقائد و نظریات سے برگشتہ ہوکر مسلمانوں کا کثرت کے ساتھ فرقوں اور گروہوں میں منقسم ہونا، بنام مسلمان مسلم حکمرانوں کا کتاب و سنت کے فرمان کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا، ، وہابیت، قادیانیت اور بنام مسلمان اسلام مخالف فرقوں کا اسلام کے مسلمہ عقائد و نظریات کے خلاف تحریک چلا کر یہود و نصاریٰ کے اسلام مخالف مشن کی تکمیل کرنا، ہندوستان میں آر ایس ایس اور فرقہ پرست بی جی پی پارٹیوں کا مسلمانوں کے خلاف شدت پسندانہ نظریات اور فرقہ وارانہ ماحول برپا کرنا، ان کی مستند تاریخوں کو توڑ مروڑ کر نصابی کتابوں میں شامل کرنا اور انہیں درس گاہوں اور پاٹھ شالاؤں میں پڑھانا، حکومت ہند کا اس کے خلاف کارروائی نہ کرنا، اور اس جیسے سیکڑوں مسائل "عہد جدید" کے پیداوار ہیں جن سے مسلمانوں سمیت قریب پوری نوع انسانی متاثر ہے۔

صوفیۂ کرام کی بتائی ہوئی درست اسلامی باتوں پر پوری "نوع انسانی" اگر توجہ دے تو "عہد جدید کے مسائل" کا حل ان گروہ صوفیا کے تصوف سے معمور اقوال کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ برصغیر کے مشہور صوفی بزرگ خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ "اللہ پاک کے نزدیک جو چیزیں مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں اس چیز سے نفرت رکھنا ضروری ہے" اس قول کی روشنی میں دیکھیں تو اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو اپنی ناپسند چیزوں کو ترک کرنے کا حکم دیا مثلا دنیا کو ہمیشگی کی جگہ تصور کر کے برائیوں میں ملوث ہونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا "اللہ پاک" کے سوا ہر چیز فانی ہے (سور رحمٰن آیت ۳۶) اور ہر چیز کا حساب اس کی بارگاہ میں لیا جائے گا (سورہ انعام آیت ۳۱ تا ۳۲) لہٰذا اجزا اور سزا سے بے فکر ہو کر "دہریہ مزاج" مت ہو جاؤ) "شراب نوشی، جوابازی اور سٹہ بازی سے منع فرماتے ہوئے اسے بڑا گناہ بتایا (سورہ بقرہ آیت ۲۱۹)

اظہار رائے کی آزادی کے نام پر دوسرے مذاہب اور ان کے پیشواؤں کے ساتھ کھیلواڑ کر کے ان کے ماننے والوں کے جذبات کا استحصال کرنے والے مزاج پر قدغن لگاتے ہوئے فرمایا کہ سبھی انسان ایک آدم اور ایک حوا کے بیٹے ہیں (سورہ حجرات آیت ۱۳) تو ایک دوسرے کا مذاق اڑانا کیسا؟ اور اگر ہم ان کے ساتھ "غیر شریفانہ" سلوک اختیار کرتے ہیں تو وہ ہمارے حقیقی معبود اللہ پاک اور سچے نبیوں اور اولیا کرام کا بھی مذاق اڑائیں گے جو ہمارے لیے نہایت ہی تکلیف دہ بات ہوگی)۔ والدین کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان کے بڑھاپے کا سہارا بننے کا حکم دیا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴)، حقیقت حال کی تفتیش کیے بغیر میڈیا یا دیگر لوگوں کے پروپیگنڈہ کا شکار ہونے اور حقیقت حال کی تفتیش کرنے کا حکم دیا (سورہ حجرات آیت ۶)، نابالغ بچے اور بچیوں کو تعلیم دلوانے کے بجائے انہیں کام کاج پر لگانے سے منع کرتے ہوئے انہیں رب کی طرف سے آزمائش بتایا (سورہ انفال آیت ۲۸) کہ اب تم ان کی بہترین تعلیم و تربیت کر کے اس آزمائش میں کھرے اترتے ہو یا نہیں؟ اگر کھرے اترو گے تو تمہیں انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ عطائے رسول سلطان الہند غریب نواز فرماتے ہیں کہ "غریب اور محتاجوں کو پیٹ بھر کھانا کھلانا، غربا کی فریاد سننا اور حاجت روائی کرنا، درماندوں کی دستگیری کرنا عذاب دوزخ سے بچنے کی بہترین تدابیر ہیں" جدید دنیا میں بسنے والے عالمی رہنما اور سیاسی سماجی لوگ اگر خواجۂ اجمیری کے

اس قول کواپنالیں تومیں سمجھتاہوں کہ دنیاسے بھکمری اور ظلم وسرکشی کاخاتمہ ہوجائے گااور ظالم اور طاغوتی طاقتوں پرلگام کسنے میں آسانی ہوگی اور اس طرح ایک پرامن ماحول ہندوستان سمیت عالمی سطح پر قائم کیاجاسکتاہے۔

مسلمانوں سے وابستہ مسائل کا حل : کسی مسلمان بھائی کو ذلیل و رسوا کرنا، سراسر غلط اور انسانیت کی توہین ہے۔ فرمان غریب نواز ہے کہ "کسی شخص کو اس کا گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتا جتنا نقصان اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنے سے ہوتا ہے"۔ یہودو نصاریٰ کی بری صحبت چھوڑ کر بھی مسلم حکمراں کتاب و سنت کے فرمان کے مطابق اپنی حکمرانی قائم کرسکتے ہیں اور یہودو و نصاریٰ کی غلامی سے آزادی حاصل کرکے ملت کے بہت سے مسائل حل کرسکتے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہودو نصاریٰ کی بری دوستی سے "مسلم حکمراں "خدائی حکم کے مطابق دست بردار ہوجائیں (سورہ مائدہ ،آیت ۵۱) یہود و نصاریٰ کے اسلام مخالف مشن کی تکمیل میں مصروف وہابیت ، قادیانیت اور بنام مسلمان باطل جماعتوں کا اسلام کے مسلمہ عقائد و نظریات کے خلاف تحریک چلانا، چودہ سوسالہ درست اسلامی عقائد و نظریات سے برگشتہ ہوکر مسلمانوں کا کثرت کے ساتھ فرقوں اور گروہوں میں منقسم کرنا بھی مغرب پرستوں کی صحبت کا شاخسانہ ہے جس سے اجتناب کرنے اور اپنے عقائد باطلہ اور شدت پسندانہ عقائد و نظریات سے دست بردار ہوکر امت ایک امت ہوسکتی ہے اور اس کی بدولت ہندوستان میں آر ایس ایس اور فرقہ پرست بی جی پی پارٹیوں کا مسلمانوں کے خلاف شدت پسندانہ نظریات اور فرقہ وارانہ ماحول برپا کرنے ، ان کی مستند تاریخوں کو توڑ مروڑ کر نصابی کتابوں میں شامل کرنے اور انہیں درسگاہوں اور پاٹھ شالاؤں میں پڑھانے اور حکومت ہند کا اس کے خلاف کارروائی نہ کرنے جیسے معاملات پر قدغن لگاکر مسلمانوں کے جان ومال کا تحفظ کیاجاسکتاہے، ہندوستان سمیت پوری دنیا میں مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنا، اور انہیں دہشت گردانہ فکر و نظر کی حامل صیہونی آلہ کار دہشت گرد تنظیم القاعدہ، طالبان، لشکر طیبہ، لشکر جھنگوی، انصار السنہ اور (فرضی تنظیم) انڈین مجاہدین وغیرہ جیسی شدت پسند تنظیموں سے جوڑنے کی کوششیں بھی ناکام کی جاسکتی ہیں۔☆☆☆☆

خانقاہیں اپنے مقصدِ تاسیس کی عملی تجدید کریں

از: آفرین مبینہ، محلہ حسین گنج، راٹھ، ضلع حمیر پور (یو پی)

سترہویں صدی سے لے کر اکیسویں صدی تک کے طویل سفر میں سائنس نے ترقی کے ایسے مدارج طے کیے ہیں کہ ماضی میں جن کا تصور کرنا بھی محال ساتھا اور اسی کے توسط سے آج نت نئی ایجادات اور انکشافات نے پوری انسانی برادری کو سہولیات کی ایک ایسی دنیا میں داخل کر دیا ہے جہاں ہر چہار جانب راحت وسکون، عیش وآرام اور تفریح طبع کے ہزاروں وسائل مختلف شکلوں میں فراہم ہیں مگر ہم اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ترقی وسہولیات کا یہ پورا ڈھانچہ مادّیت کی فانی بنیادوں پر قائم ہے اور مادّیت کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے خوشیوں کا سماں ضرور لاتا ہے، مگر اپنے پیچھے بے چینی اور اضطراب کا ایک ایسا طوفان چھوڑ جاتا ہے جو آگے چل کر اچھے خاصے انسان کو حیوان صفت بنادیتا ہے، اور یہیں سے وہ تمام مسائل سر ابھارنے لگتے ہیں جو معاشرے کے امن وسکون کو آگ لگاکر رکھ دیتے ہیں۔

جس دور سے آج ہم اور آپ گزر رہے ہیں، شاید یہ پوری تاریخِ انسانی کا سب سے پر خطر اور نازک دور ہے جہاں ہر طرف افراتفری، گہما گہمی، لوٹ کھسوٹ، فحاشی وعریانیت، تذلیل وتحقیر، بے مروتی وبدکرداری، فریب ودھوکہ دہی نفس پرستی وخود غرضی اور بدعنوانی جیسی ہزاروں برائیاں اپنے نقطۂ عروج پر ہیں اور سیکڑوں تدابیر اور حکمت کے باوجود ان کی شرح میں اضافہ کا عمل مسلسل جاری ہے، مادّیت کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھنے والے یہی وہ مسائل ہیں جنھیں "دورِ جدید کے مسائل" کے نام سے جانا جاتا ہے، جن سے پوری انسانیت بلا تفریق دوچار ہے اور ان کی مار جھیل رہی ہے۔ اس مقام پر جب ہم سنجیدگی سے ان اسباب کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں جن کے بطن سے یہ مسائل جنم لے رہے ہیں اور ختم ہونے کے بجائے نئی نئی شکلوں میں ان کا پنر جنم ہو رہا ہے تو ان میں سب سے اہم اور بنیادی سبب "راحت وسکون سے بھری زندگی کی تلاش" نظر آتا ہے، جس کے حصول کے لیے انسان بھاگا چلا جارہا ہے، فلک بوس عمارتیں، لکژری گاڑیاں، اے سی کمرے، نرم و گداز بستر، نائٹ کلب، سوئمنگ پول، اور دیگر آسائش کی بھرمار، یہ سب اسی راحت وسکون کو

حاصل کرنے کے ماڈی وسائل ہیں جنھیں جٹانے کے لیے ہر انسان تگ و دَو کر رہا ہے، اور اس چیز نے اسے اس قدر خود غرض بنا دیا ہے کہ خواہ دوسرے انسان کی موت و حیات پر بن آئے مگر اسے صرف "کڈنی" چرا کر فروخت کرنے کی فکر ہے تاکہ تمام وسائل جمع کر کے اپنی زندگی کو سکون سے بھر دے، مگر ماڈیت آخر کہاں تک ساتھ دیتی، نتیجتاً ان تمام اسباب عیش کے باوجود انسان بے چینی و اضطراب کے قعرِ عمیق میں دھنستا چلا گیا اور اب یہ حال ہو گیا ہے کہ لوگ اپنی مختصر سی زندگی ہی سے اکتاہٹ محسوس کر رہے ہیں، ایک عجب بے کیفی ہے کہ بڑی بڑی کمپنیوں، ملوں اور بنگلوں کے مالک اور کروڑ پتی ہونے کے باوجود چار چار نیند کی گولیاں کھا کر زبردستی سونے پر مجبور ہیں، آج جس شعبہ میں ترقی ہو رہی ہے وہاں کہیں نہ کہیں اسی اضطراب کا پہلو مضمر ہے، شاید بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ سیر و سیاحت، ٹیلی ویژن اور مخصوص ایام ٹیچر ڈے، مدر ڈے اور ہیلتھ ڈے وغیرہ (تعداد تقریباً دو سو) اور سالانہ مثلاً ٹائگر ایئر وغیرہ (تعداد تقریباً پچیس) منانے کے بڑھتے رجحان کے پیچھے یہی ذہنی اضطراب کار فرما ہے اور ان میں دل چسپی لینے والے وہی لوگ ہیں جو اندر سے پریشان ہیں اور اس بے قراری کو کم کرنے کے لیے ان چیزوں کا سہارا لے رہے ہیں تاکہ کم از کم ایک "ڈے" کے بہانے کچھ ایام کٹ جائیں اور ایک فلم کے ذریعہ کچھ دیر کے لیے سہی ذہنی الجھنوں کو بھول جائیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ دورِ جدید کے جتنے مسائل ہیں خواہ معاشرتی سطح کے ہوں یا پھر پرسنل اور ذاتی سطح کے، کہیں نہ کہیں جا کر ان سب کا ڈانڈا اسی راحت اور ذہنی سکون کی تلاش سے جا کر ملتا ہے جس کے حصول کی بنیاد غلطی سے ماڈیت پر رکھ دی گئی ہے، جب کہ صدیوں کے تجربات اور حقائق کی روشنی میں پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا جس سکون کی تلاش میں دربدر بھٹک رہی ہے اور اس کی وجہ سے جتنے مسائل سماج میں پیدا ہو رہے ہیں، ان سب کا شافی حل تصوف یعنی روحانیت میں چھپا ہوا ہے، تصوف ماڈیت کے بجائے روحانیت پر انسانی اصلاح کی بنیاد رکھتا ہے، اور جسم کے بجائے روح کی تسکین سے آگاہی کا مزاج دیتا ہے اور انسان کی ذہن سازی اس نہج پر کرتا ہے کہ پھر انسان اپنے دکھ پر دوسروں کے دکھ کو ترجیح دیتا ہے اور یہیں سے وہ تمام مسائل جو سماج کو تعفن زدہ بناتے ہیں ختم ہونا شروع ہو جاتے ہیں، تاریخ کے صفحات میں ہزاروں ایسی مثالیں بکھری پڑی ہیں جہاں بڑے بڑے جرائم پیشہ انسان جو خزانوں کے ڈھیر پر سونے کے باوجود بے چین رہے، اور خود کی راحت کے لیے لوگوں کی رگوں کا خون تک نچوڑتے رہے، مگر جب تصوف اور روحانیت سے ان کی آشنائی ہوئی تو وہی لوگ پھٹے بستر پر لیٹ کر بھی آرام محسوس کرنے لگے، در اصل تصوف کی بنیادی تعلیم جن عناصر کے گرد گردش کرتی ہے یعنی خوفِ خدا، قناعت، صبر اور جذبۂ ایثار، یہ وہ عناصر ہیں جو کسی بھی سماج کے لڑکھڑاتے ڈھانچہ کو درست کرنے میں بہت وقت نہیں لگاتے ہیں، نیز ان تعلیمات کے توسط سے تصوف انسان کو "روحانیت" کے جس ذوق سے آشنا کرتا ہے وہاں پہنچ کر ماڈی راحت کے کچھ معنی ہی نہیں رہ جاتے ہیں کہ جس کو جٹانے کے لیے ڈاکٹر لوگ کڈنی چرائیں، آفیسر رشوت کھائیں، یا صحافی اور عمر دراز جج دست درازی کریں۔ اس لحاظ سے تصوف کی معنویت ماضی کی بہ نسبت عصرِ حاضر میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور وجوہات کچھ بھی ہوں مگر خوش آئند بات یہ ہے کہ اب تصوف اور روحانیت کی صدائے بازگشت عالمی سطح پر سنائی دینے لگی ہے اور جنم جنم کی پیاسی روحوں کے قافلے تصوف و روحانیت کی گھنی چھاؤں میں اترنا شروع ہو گئے ہیں اور یہی سنہرا موقع ہے اسلام بنام تصوف و روحانیت پیش کرنے کا اور اسلامی نظامِ حیات اور تصورِ حیات کو لوگوں تک پہنچانے کا، جب انسان پریشان ہوتا ہے تو لوگ اپنی ذات کے لیے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہیں، آج پوری انسانیت اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہے تو کیوں نہ ہم اس موقع کا فائدہ اٹھائیں، پوری نسلِ آدم کو تصوف سے باخبر کریں اور ابدی سکون سے ہم کنار کریں، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے خود صحیح معنوں میں تصوف کی طرف پلٹیں اور خانقاہیں اپنے مقصدِ تاسیس کی عملی تجدید کریں اور کلیسائی نظام کی طرح صرف نذرانوں پر جنت کا پروانہ دینے کے بجائے تصوف کا سوز و گداز اور روحانی اسپرٹ کی تحریک چلائیں، اگر یہ مراکز (خانقاہ) اس سلسلہ میں سرگرم ہوتے ہیں تو پھر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہم دورِ جدید کے مسائل کا ایک بہترین عملی حل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور کیا پتہ کہ آنے والی دنیا تصوف کی ہو! کیوں کہ تصوف ہر دور کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

مولانا محمد شرف الدین، نئی سنی مسجد

گھڑپ دیو، ممبئی، مہاراشٹر

مولانا محمد ابوبکر صاحب مدرسہ سراج العلوم لطیفیہ

نہال گڑھ، جگدیش پور، سلطان پور (یوپی)

گوشۂ ادب

مجلہ رضویہ پچیس سالہ خدمات اور تدوین

ڈاکٹر منظور احمد دکنی

رسالہ یا جریدہ ،وہ صحیفہ یا Printing Material کا مجموعہ ہے جس میں مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے اہلِ قلم کی علمی و ادبی کاوشوں، جذبات واحساسات اور تجربات وخیالات کی عکاسی ملتی ہے مضامین ،تخلیقات اور مقالات قاری تک پہنچتے ہیں اور دعوت فکر بھی دیتے ہیں۔ رسائل و جرائد ہماری، حیات کی تاریخ ہوتے ہیں اور ماضی کی داستان بھی مستقبل کا لائحہ عمل بھی ... ۔

اُردو کے رسائل و جرائد کی تاریخ، رول اور خدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو خاصی مایوسی ہوتی ہے۔ مگر بہت حد تک اطمینان بھی ہوتا ہے کہ نامساعد حالات میں بھی اردو کے رسائل و جرائد نے اپنا کردار بحسن وخوبی نبھاتے ہوئے علم وادب کی آبیاری کی ہے۔ اردو کا ایک عام ادیب، ایک دہا تا نصف صدی، ادب سے جڑا رہتا ہے۔ اس کے باوجود سینکڑوں ادیبوں کی کتابیں منظرِ عام پر نہیں آتیں۔ اس طرح کی صورت حال میں رسائل و جرائد ان ادیبوں کی نگارشات کی ترسیل و ابلاغ میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ آج بھی سینکڑوں قلم کاروں کی نگارشات ان رسائل و جرائد میں محفوظ ہیں تاہم ان کی کتابیں ہنوز اشاعت کی منتظر ہیں۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ کئی ایک قلم کاروں کی کتابوں کی اشاعت ان رسائل و جرائد کی مرہون منت ہیں۔ اس اعتبار سے بھی اردو کے رسائل و جرائد کی اہمیت، افادیت اور خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اردو زبان میں صحافت اور ادبی و علمی رسائل کا آغاز انیسویں صدی میں شروع ہوتا ہے۔ ۱۸۴۵ میں سینکڑوں قلمی، ادبی گل دستے شائع ہوئے جن کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان گل دستوں نے مذہبی، علمی و ادبی نگارشات کی عکاسی میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اس اثناء میں ملک کے گوشے گوشے سے ، رسائل و جرائد شائع ہوتے رہے۔ حیدرآباد میں ۱۸۵۵ سے ۱۸۹۹ تک ۱۹ رسائل و جرائد اور ۱۴ گل دستے شائع ہوئے۔ ڈاکٹر مظفر شہ میری نے اپنے مضمون " دکن میں اردو صحافت کا دستور عمل " میں لکھا ہے کہ ۱۹۰۰ سے ۱۹۴۴ تک حیدرآباد دکن سے ۱۳۵ رسائل و جرائد اور اخبارات اور چھ (۶) گل دستے شائع ہوئے۔ انہوں نے ان رسالوں کے نام بھی تحریر کیے ہیں۔ ان رسائل اور اخبارات میں رسالہ تاج (۱۹۱۴)، رسالہ اردو (۱۹۲۱)، مجلہ عثمانیہ (۱۹۲۷)، مجلہ مکتبہ (۱۹۲۸)، تاریخ (۱۹۲۹)، رسالہ سب رس (۱۹۳۲)، نیادور (۱۹۴۴)، رسالہ نیازمانہ (۱۹۴۷) وغیرہ شامل ہیں۔

آزادی کے بعد ۱۹۵۰ سے ۱۹۷۵ کے عرصہ کو ہم اردو رسائل و جرائد کا سنہرا دور کہہ سکتے ہیں۔ اس عرصہ میں حیدرآباد سے چار قابل ذکر رسالے شائع ہوئے۔ جن میں صبا، 'پیکر '، 'شعر و حکمت ' اور 'شگوفہ ' قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد کے ادوار میں بھی مختلف رسالے اور جریدے شائع ہوتے رہے۔ اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر "مجلہ رضویہ "کو شامل کیا جاسکتا ہے جو سال نامہ کی شکل میں پچھلی ربع صدی سے علم و ادب اور صوفیانہ افکار و نظریات کے فروغ و اشاعت میں سرگرم کردار ادا کررہا ہے۔ اس جریدہ کی اشاعت میں شاہ رضا اکیڈمی اور ان کے سرپرست سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کی کاوشیں قابلِ مبارک باد ہیں ۔ جنھوں نے اپنے اجداد کی صوفیانہ افکار و نظریات کی ترسیل و ابلاغ کا بیڑا اٹھایا ہے تاکہ مادہ پرستانہ ماحول میں صوفیانہ افکار کی نشر واشاعت اور تعلیم و تربیت ہو سکے۔ اس تناظر میں حضرت سید شاہ اسرار حسین کی شخصیت شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے حسین امتزاج کی عمدہ مثال قرار دی جاسکتی ہے جنہوں نے اپنے علم و عمل سے عوام و خواص کو متاثر کیا۔ خانوادہ عالیہ رضویہ کی علمی و صوفیانہ خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا فصیح الدین نظامی لکھتے ہیں:

"مشائخ حیدرآباد کی انفرادی، ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ خانقاہی سطح پر بھی کاروانِ ادب جاری ہے جس کی لائق تقلید مثال خانقاہ عالیہ رضویہ ہے جہاں تین سو سال سے ذکر و اذکار، رشد و ہدایت کا دیا روشن ہے اور مذہب کے ساتھ ادب کی خدمت بھی جاری ہے۔"

تین صدیوں کی اس مقدس روایت کو قائم و دائم رکھتے ہوئے، اس

پروفیسر گلبرگہ یونیورسٹی کرناٹک

خانقاہ کے موجوہ سجادہ نشین نے عرس کی تقریبات کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی مذاکرہ کا بھی اہتمام کیا۔ جس میں مختلف علمی، ادبی اور صوفیانہ اہلِ علم و دانش شخصیات کو اس مذاکرہ میں اپنے مقالات پیش کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پچھلی ربع صدی سے جاری ہے۔ مذاکرہ میں پیش کردہ مقالات اور نعت و منقبت کو کتابی شکل میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی کاوش ۲۲/ جنوری ۱۹۹۰ کی گئی۔ ایک مختصر جریدہ منظرِ عام پر لایا گیا۔ ابتدائی چند سالوں میں یہ جریدہ "تصرفات بعد وصال"، "جاء الحق وزھق الباطل"، "مجموعہ تجلیات"، "[آئینہ تصوف"، "پیام تصوف"، "اسلام سائنس اور تصوف"، "اور افکارِ تصوف" وغیرہ ناموں سے شائع ہوتا رہا۔ لیکن جولائی ۲۰۰۵ سے یہ جریدہ "مجلہ رضویہ" کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔

مجلہ رضویہ کی اشاعت میں حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی کی شخصیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ نہ صرف شاہ رضا اکیڈمی کی پرستی فرماتے ہیں بلکہ اس مجلہ کے نگراں اور مدیرِ اعلیٰ کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قلم کار کی حیثیت سے نعت و منقبت کے ذریعے ادب و شعر کی خدمات بھی کرتے آرہے ہیں۔ ان کی نعوت و مناقب کے مطالعہ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کی شاعری نہ صرف عشقِ رسول اور عشقِ اولیا کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے بلکہ ان کے یہاں شاعری کے فنی تقاضے بھی تکمیل پاتے ہیں۔ حضرت اسرار حسین قبلہ کی ہمہ جہت اور ہشت پہلو شخصیت پر مولانا فصیح الدین نظامی رقم طراز ہیں:

"ان تمام علمی و ادبی سرگرمیوں کی روحِ رواں حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی چشتی قادری نظامی شطاری ہیں، جو دکن کے علمی، ادبی، مذہبی، ملی حلقوں میں ایک ممتاز شخصیت کے مالک اور سراج المشائخ سے مشہور ہیں، آپ کے ہزار ہا مریدین ہندو پاک کے علاوہ امریکہ، کینڈا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارت میں موجود ہیں۔ تاحال خدمتِ خلق کا سلسلہ شب و روز جاری ہے۔"

'مجلہ رضویہ' کے ابتدائی ادارتی عملے میں خواجہ اکرام الدین رضوی، سید بشیر احمد حسینی، کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر اس کارواں میں محمد فصیح الدین نظامی شامل ہوئے تو اس مجلہ کی تزئین کاری اور دیدہ زیبی میں اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ اس مجلہ کی معنوی و صوری حیثیت بھی اعتبار پانے لگی۔ مولانا فصیح الدین نظامی کی علمی و صحافتی خدمات کے بارے میں دنیا واقف ہے کہ وہ جامعہ نظامیہ اور بانی جامعہ نظامیہ ان کے محبوب موضوعات رہے ہیں۔ ان کی بے مثال علمی و ادبی خدمات کے پیشِ نظر عبدالمجید افسر نے ان پر تحقیقی کام کرتے ہوئے سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد سے ایم۔ فل کی ڈگری حاصل کی۔ مولانا فصیح الدین کی علمی و ادبی وابستگی کے سلسلہ میں عبدالمجید افسر نے بڑے پتہ کی بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"رشید احمد صدیقی اردو ادب کے معروف قلم کار ہیں، علی گڑھ یونیورسٹی سے وابستگی کا یہ عالم ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں اپنی مادرِ علمیہ علی گڑھ کا ذکر کر ہی دیتے ہیں۔ گویا علی گڑھ اور اس کی سرگرمیاں اُن کے رگ و پے میں سرایت کرگئی ہیں غالباً اسی وجہ سے یہ بات زبان زدِ خاص وعام ہے کہ علی گڑھ کو رشید احمد صدیقی سے اور رشید احمد صدیقی کو علی گڑھ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ٹھیک یہی صورتِ حال مولانا نظامی پر بھی صادق آتی ہے ۔ مولانا نظامی کی ان تمام تصنیفات و تالیفات میں جامعہ نظامیہ اور بانی جامعہ نظامیہ کا تذکرہ اس وابستگی اور پیوستگی کے ساتھ کرتے ہیں کہ ان کا جسم جامعہ نظامیہ کے ساتھ اور روح بانی جامعہ نظامیہ کے ساتھ نظر آتی ہے ۔ لہٰذا مولانا نظامی کو جامعہ نظامیہ اور بانی جامعہ نظامیہ کا عاشقِ با مراد کہنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے۔"

مجلہ رضویہ میں علمی و ادبی نگارشات نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس علمی کاروان میں میر کمال الدین علی خاں، ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی، مولانا محمد جلال الدین کامل، قاضی محمد سید اعظم علی صوفی، مولانا سید صادق محی الدین، مولانا سید لیاقت حسین رضوی ،مولانا ضیا الدین نقش بندی ،پروفیسر افضل محمد، پروفیسر عبدالحمید اکبر، پروفیسر مصطفٰے شریف، پروفیسر یوسف حسینی، پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر عقیل ہاشمی، اور مولانا فصیح الدین نظامی وغیرہ یہ وہ چند نام ہیں جو مجلہ رضویہ کے لیے سرمایہ بہاراں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مجلہ رضویہ کے اس پچیس سالہ دور میں ۱۴ شمارے، اور مختلف علمی موضوعات پر پانچ کتابیں شائع ہوئے ہیں۔ یہ ایک عام تاثر ہے کہ مجلہ رضویہ نہ صرف صوفیانہ رجحانات کا نمائندہ رسالہ ہے بلکہ یہ ایک مکمل علمی و ادبی جریدہ بھی ہے، جن میں علمی و ادبی مضامین کے ساتھ ساتھ نعتوں اور منقبتوں کو بھی شامل کیا جاتا رہا ہے۔ اس مجلہ کے چودہ شماروں میں پچاس سے زیادہ مقالات شائع ہوئے ہیں۔ ان مقالہ نگاروں نے اہم موضوعات پر اپنے افکار و نظریات کو پیش کیا۔ بالخصوص، یونیورسٹیوں سے وابستہ افراد نے اپنے مقالات میں زبان و بیان، طریقۂ پیش کش میں تحقیقی و تنقیدی کے اصولوں کو بروے کار لائے ہیں۔ یوں تو بیش تر

مقالے معیار و اعتبار رکھتے ہی ہیں اور کچھ مقالے جیسے اقبال اور تصوف، تعلیمات تصوف اور مثنوی مولانا روم، حضرت امام غزالی اور تصوف، خانقاہی نظام کی ضرورت اور اہمیت، اشاعت اسلام دکن کے صوفیہ کرام وغیرہ تحقیقی و تنقیدی مقالات ہیں۔ یہ مقالے زبان اور طریقہ پیشکش کے لحاظ سے بھی اہلِ علم و دانش کو متاثر کرتے ہیں۔ دیگر مقالوں میں تصوف اور خدمتِ خلق،، اسلام اور سائنس،، تصوف اور اصلاح، باطن، فتنہ قادیانیت کا سدِباب وغیرہ بھی اہم مقالات میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ فہرست میں شامل اکثر مقالات معاشرے میں پائے جانے والی بے عملی، جہل، غفلت او پستی کو دور کرنے اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے رشنی حاصل کرنے اور صالح معاشرہ کی تعمیر وتشکیل میں خانقاہی نظام اوصوفیانہ افکار کی تجلیات مترشح ہوتی ہیں۔ ان تمام مقالات پرگفتگو کرنے کی بجائے ان کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ذیل میں صرف مقالات کے اشاریے پر اکتفا کیا جارہا ہے جو حروفِ تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں:

سلسلہ نشان	مقالہ نگار	عنوان مقالہ	سنہ اشاعت	صفحہ نمبر
۱	اسلام الدین مجاہد	صوفیہ کرام کی خدمات	۲۰۰۳	۷-۱۳
۲	افضل محمد	اسلام اور سائنس	۲۰۰۳	۴-۶
۳	سلیمان اطہر جاوید	تصوف اور خدمتِ خلق	۲۰۰۸	۸-۱۷
۴	سید بدیع الدین صابری	اسلام، روحانیت اور صوفیہ کرام کی تعلیمات	۲۰۰۱	۱۹-۲۷
۵	سید شاہ حمید الدین شرفی	تصرفات بعد وفات (قرآن و حدیث کی روشنی میں)	۱۹۹۰	۴۸-۵۶
۶	سید شاہ صادق محی الدین	خانقاہی نظام کی ضرورت و اہمیت	۲۰۰۴	۱۴-۲۵
۷	سید شاہ لیاقت حسین رضوی	فضیلتِ علم و علماء کرام (قرآن و حدیث کے تناظر میں)	۲۰۰۱	۳۶-۳۹
۸	ایضًا	چہار سیر چودہ خانوادے	۲۰۰۹	۵۴-۵۹
۹	سید شاہ رؤف علی قادری	قادیانیت، حقیقت یا جماعت	۲۰۱۰	۳۹-۵۳
۱۰	سید شاہ یوسف حسینی کامل	صوفیہ کرام کی ادبی خدمات	۲۰۱۱	۳۳-۴۴
۱۱	سید ضیاالدین نقش بندی	پردہ: تقدس کا ضامن	۲۰۱۱	۴۵-۶۳
۱۲	سید عبدالرشید قادری	عرس و زیارت احکام و آداب	۲۰۰۷	۶-۱۳
۱۳	سید عبدالقادر حسینی قادری	وجد کی حقیقت	۱۹۹۷	۱۱-۲۷
۱۴	سید علیم اشرف جائسی	تصوف کا منبع و ماخذ	۲۰۰۹	۱۳-۳۶
۱۵	سید عبدالرؤف اشرفی	اہلِ بیت اطہار کی روایاتِ حدیث (محدثین اہلِ سنت کی کتب میں)	۲۰۱۰	۲۳-۳۸
۱۶	سید محمود پاشاہ قادری	عشقِ رسول ہی اصلِ ایماں ہے	۱۹۹۷	۵۰-۶۲
۱۷	سید محمد قبول بادشاہ شطاری	علم لدنی کیا ہے	۱۹۹۷	۱-۱۰
۱۸	ایضًا	حقیقت بیعت اور مقامِ شیخ	۲۰۰۲	۱۰-۲۰
۱۹	سید ندیم اللہ حسنی الحسینی	روحِ تصوف	۲۰۰۱	۷-۱۱
۲۰	سید ہاشم پاشاہ قادری	سلاسلِ تصوف: تعارف و خدمات	۲۰۱۲	۱۸-۳۰
۲۱	عقیل ہاشمی	احکام شرح کی حکمتیں	۲۰۰۲	۴-۹
۲۲	ایضًا	قرآن و تصوف	۲۰۰۲	۲۱-۲۷
۲۳	قاضی اعظم علی صوفی	اہلِ سنت و جماعت کی حقانیت	۱۹۹۶	۱-۲۵
۲۴	االیضًا	کرامات اولیاالله (قرآن و حدیث کی روشنی میں)	۱۹۹۷	۲۸-۳۸

۲۵	ایضاً	کیا دین، تصوف اور طریقت میں کوئی فرق ہے	۲۰۰۴	۵-۱۳
۲۶	مجید بیدار	فروغِ تعلیم کے لئے دکنی صوفیہ کرام کے رویے	۲۰۱۰	۱۱-۱۵
۲۷	محمد افضل الدین جنیدی	عہدِ آصف جاہی کے منتخب شعراء تصوف	۲۰۰۹	۴۲-۵۳
۲۸	محمد بشیر احمد	اصلاح، معاشرہ کے چند پہلو	۲۰۰۷	۳۲-۴۰
۲۹	محمد جلال الدین کامل حسامی	تصرفات بعد وفات (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	۱۹۹۰	۱۰-۴۷
۳۰	محمد عارف الدین شاہ فاروقی	حضرت محمود بحری اور ان کی مثنوی من لگن	۲۰۱۰	۵-۱۰
۳۱	محمد عبدالحمید اکبر	عصرِ حاضر میں خانقاہی تعلیمات کی ضرورت واہمیت	۲۰۰۱	۲۸-۳۵
۳۲	ایضاً	تصوف اور رہبانیت	۲۰۰۲	۲۸-۳۵
۳۳	ایضاً	اقبال اور تصور مومن	۲۰۰۴	۴۶-۵۶
۳۴	ایضاً	اقبال اور تصوف	۲۰۰۵	۵-۱۰
۳۵	ایضاً	تعلیماتِ تصوف اور مثنوی مولاناروم	۲۰۰۷	۶-۱۳
۳۶	ایضاً	اشاعت اسلام میں دکن کے صوفیہ کرام حصہ	۲۰۰۹	۷-۱۲
۳۷	ایضاً	تذکرہ حضرت سید شاہ رضا رضوی المدنی	۲۰۰۹	۳۷-۴۱
۳۸	ایضاً	کشف المحجوب: اک مطالعہ	۲۰۱۰	۱۶-۲۲
۳۹	ایضاً	حضرت امام غزالی اور تصوف	۲۰۱۱	۲۱-۳۲
۴۰	ایضاً	تصوف: مقصد اور منہاج	۲۰۱۲	۱۱-۱۵
۴۱	محمد فصیح الدین نظامی	تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں	۲۰۰۲	۳۶-۴۰
۴۲	ایضاً	تصوف اور اصلاحِ باطن	۲۰۰۳	۱۴-۲۴
۴۳	ایضا	غنیۃ الطالبین تصوف کا ایک اہم ماخذ	۲۰۰۴	۲۶-۴۵
۴۴	ایضاً	مشائخِ حیدرآباد کی ادبی خدمات	۲۰۰۵	۱۱-۱
۴۵	ایضاً	خانقاہ رضویہ کی ادبی خدمات	۲۰۰۷	۴۱-۶۲
۴۶	ایضاً	فتنہ قادیانیت کا سدِباب	۲۰۰۸	۲۸-۳۴
۴۷	ایضاً	فخر المحدثین علامہ سید حسن الزماں الفاطمی: حیات وخدمات	۲۰۱۰	۵۴-۶۱
۴۸	ایضاً	سلوک	۲۰۱۱	۶۴-۷۰
۴۹	ایضاً	تصوف اور شیوۂ تسلیم ورضا	۲۰۱۲	۳۱-۳۵
۵۰	محمد مصطفی شریف	ہندوستان میں صوفیہ کرام کی خدمات	۲۰۰۱	۱۲-۱۸
۵۱	میر کمال الدین علی خاں	تصرفاتِ اولیا بعد وصال (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	۱۹۹۰	۵۷-۶۷
۵۲	ایضاً	مقاماتِ اولیا	۱۹۹۷	۳۹-۴۹

غرض مجلہ رضویہ نے معاصرانہ صحافت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے جریدے کے ذریعے بنیادی سطح پر عوام کے درمیان اپنے عقائد ونظریات کے فروغ واشاعت، مسلکی افکار کی ترویج، اور صوفی مشرب معاشرے کی تشکیل اور علمی وفکری مزاج قائم کرنے میں اہم رول ادا کر رہا ہے اور اہلِ سنت کی علمی و فکری وقار، منہاج اور اعتبار کی بازیابی کے لئے نہ صرف کوشاں ہے بلکہ ان خدمات پر بفضلہ تعالیٰ شاداں وفرحاں بھی ہے۔ بہرکیف ”مجلہ رضویہ“ صوفیانہ افکار واقدار اور اخلاق وکردار کی گویا ایک کائنات تخلیق کر رہا ہے جس کے لئے مدیرِ اعلیٰ حضرت سید شاہ اسرار حسین رضوی المدنی قبلہ، مدیرِ مکرم حضرت مولانا محمد فصیح الدین نظامی اور مولانا سید شاہ لیاقت حسین رضوی المدنی اور ان کے دیگر معاونین قابلِ مبارک باد ہیں۔ {☆}

نقد و نظر

نام کتاب	:	**شعورِ نظر**
مصنف	:	ڈاکٹر شکیل اعظمی
اشاعت	:	۲۰۱۲ء
صفحات	:	۴۹۶ **قیمت** : درج نہیں
ناشر	:	برکات اکیڈمی کریم الدین پور، بگھی، گھوسی، ضلع مئو
مبصر	:	**محمد طفیل احمد مصباحی** سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور tufailmisbahi@gmail.com

عالی جناب ڈاکٹر شکیل اعظمی کا شمار جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مایۂ ناز فرزندوں میں ہوتا ہے۔ باغِ فردوس کے "ایک گل خوش رنگ" کا نام ڈاکٹر شکیل اعظمی ہے۔ علم وادب، شعروسخن، اور نقد واحتساب میں آپ نے جو نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ نقد وادب اور شعروسخن کے میدان میں آپ کا رہوارِ فکر وقلم جس فاتحانہ انداز سے مسلسل آگے بڑھ رہا ہے، وہ باعثِ حیرت بھی ہے اور لائقِ تحسین بھی۔ شعری اور تنقیدی صلاحیت رکھنے والے علمائے اہلِ سنت میں بلا شبہہ ڈاکٹر شکیل اعظمی "مفتیِ عصر" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ نام کا اثر ذات پر ہوتا ہے، ڈاکٹر صاحب صوری و معنوی اعتبار سے شکیل ہیں۔ شکل وشباہت، علمی لیاقت، شعری مہارت، ادبی بصیرت اور فنی وجاہت غرض کہ ہر جہت سے آپ شکیل ووجیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ آمین۔

زیرِ تبصرہ کتاب "شعورِ نظر" اسم با مسمیٰ ہے۔ یعنی یہ کتاب ڈاکٹر شکیل اعظمی کے علمی، دینی، ادبی اور تنقیدی مقالات کا مجموعہ اور آپ کے فکری ونظری شعور کا ایک چمکتا ہوا آئینہ ہے۔ اس کتاب میں قارئین کو علم وحکمت کا "عکسِ جمیل" بھی نظر آئے گا اور ادب وتنقید کا "پیکرِ حسین" بھی دکھائی دے گا۔ شعروسخن کی مشاقگی بھی نظر آئے گی اور فکر وفن کی آرائش وزیبائش کے جلوے بھی دکھائی دیں گے۔

جناب پروفیسر سید امین میاں قادری دام ظلہ العالی کتاب سے متعلق لکھتے ہیں:

"شعورِ نظر جو علمی، دینی، ادبی، تنقیدی اور طبی فکر واظہار کا بھی ایک رخ ہے، اور جس کی جڑیں اردو میں ماضی بعید سے موجود ہیں، ڈاکٹر شکیل اعظمی نے اسی جانب بھرپور توجہ دی ہے۔ علم وادب، تحقیق وتنقید اور شعروشاعری سے ان کا فطری اور قلبی لگاؤ ہے۔ وجدان جب اپنے اظہار کی منزل پر آتا ہے تو لازماً ایک سانچے میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ یہی سانچہ ہیئت ہے اور یہ ہیئت شاعری کی بھی ہوسکتی ہے، تحقیق وتنقید کی بھی اور علمِ طب کی بھی۔ ربِ ذوالجلال کا کرم ہے کہ ڈاکٹر شکیل اعظمی ان سب سے واقف ہی نہیں، دست رس بھی رکھتے ہیں۔" (شعورِ نظر، ص:۱۱)

کتاب چار ابواب میں منقسم ہے، پہلا باب: ادبیات، دوسرا باب: مذہبیات، تیسرا باب: شخصیات، چوتھا باب: ادبی تبصرے۔

پہلا باب۔ ادبیات "الأول فالأول" کے مصداق ہے۔ ڈاکٹر شکیل اعظمی کے فکروفن اور شعورِ نظر کا آغاز وارتقا اور منتہائے کمال اسی باب میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ بابِ اول میں کل ۱۰/ مقالات ومضامین ہیں۔

(۱)اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ کے بعض اشعار پر اعتراضات کے جوابات اور بعض اشعار کی توضیحات وتشریحات۔(۲)اعلیٰ حضرت کے اشعار اور شترگربہ کا عیب۔(۳)اشعارِ رضا کی توضیح کے سلسلے میں نقل خط (۴) اشعارِ رضا کی توضیح کے سلسلے میں سوالات اور ان کے جوابات (۵)نعت پاک میں تو، تم، اور تیرا کا استعمال۔(۶) تو، تیرا اور تم کے استعمال کی بحث۔(۷)لفظ غم زُدا اور غم زُوا کا تحقیقی منظر نامہ۔(۸)لفظ "غم زُدا" کی تحقیق۔(۹)لفظ "غم زُدا" کے سلسلے میں مدیر سہ ماہی امجدیہ گھوسی کو مراسلہ۔(۱۰)اعترافِ حقیقت بعنوان "تصحیح" سہ ماہی امجدیہ کا مضمون۔

اس باب کے تحت ڈاکٹر شکیل اعظمی نے تحقیق وتنقید کا جو دریا بہایا ہے، شائقانِ فن اس سے اپنی علمی پیاس بجھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ باب خاص طور سے لائقِ دید، قابلِ مطالعہ اور باعثِ رشک ہے۔ "نعتِ پاک میں تو، تم اور تیرا کے استعمال کی بحث" میں تقریباً ۴۵/ جدید وقدیم شعرا کے کلام اور اردو دواوین وکلیات کی روشنی میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ "اگرچہ لغوی اعتبار سے تو، اور تیرا کے الفاظ کم تر درجے والوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں، لیکن اہلِ زبان پیار، محبت کے لیے بھی ان کا استعمال کرتے ہیں اور کسی بھی زبان میں بنیادی اہمیت اہلِ زبان کے

محاورات واستعمالات ہی کو حاصل ہوتی ہے، اس لیے نعت پاک میں ان کا استعمال قطعاً درست ہے، اور اس میں کسی طرح کی بے ادبی اور شرعی قباحت نہیں۔" (شعور نظر، ص:۱۰۵)

اس سے ڈاکٹر شکیل اعظمی کے مطالعہ کی وسعت، شعر فہمی اور نکتہ سنجی کے ساتھ قدیم اساتذۂ سخن کے دواوین وکلیات پر ان کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی مشہور دعا ومناجات ہے:

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سَلِّم کہنے والے غم زُدا کا ساتھ ہو

عرصۂ دراز سے عوام وخواص میں دوسرا مصرعہ "غم زَدہ" زا پر فتحہ اور "غم زُدہ" زا پر ضمہ بصورت ہا پڑھنے کی روایت چلی آرہی تھی، اور آج بھی کسی حد تک یہ روایت برقرار ہے۔ بڑے بڑے عالم بھی اس لسانی غلطی میں مبتلا تھے اور آج بھی ہیں۔ کوئی کہتا کہ "غم زدہ" زا پر فتحہ درست نہیں ہے، کیوں کہ زا پر فتحہ پڑھنے سے "غم زدہ" کا معنیٰ ہوگا "غم کا مارا اور مصیبت میں مبتلا" اور یہ معنیٰ حضور شافع محشر (ﷺ) کی شانِ ارفع میں کسی بھی طرح روا نہیں ہے۔ غرض کہ جتنا منہ اتنی بات۔

ڈاکٹر شکیل اعظمی کی تحقیق کے مطابق "غم زَدہ" یہ زدن" مصدر (بمعنیٰ مارنا) سے اسم مفعول ہے ہی نہیں بلکہ یہ "زُدودَن" مصدر (بمعنیٰ لے جانا، دور کرنا) سے اسم فاعل ہے۔ یعنی "غم زُدا" (غم دور کرنے والا)۔ پوری تحقیق کتاب کے ص:۱۱۱-۱۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس مضمون کو پڑھ کر کوئی بھی باذوق فرد ڈاکٹر شکیل اعظمی کی مہارتِ فن اور شعورِ نظر کی گواہی دے گا۔ جب تحقیق سامنے آگئی ہے تو اہلِ سنت کے عوام وخواص کو اب "غم زَدہ" کے بجائے "غم زُدا" پڑھنا چاہیے۔

غرض کہ باب اول "ادبیات" کے تمام مضامین نہایت وقیع، گراں قدر اور لاجواب ہیں۔ اس باب کو ہم پوری کتاب کا "کلائمکس" (نقطۂ انتہا) کہہ سکتے ہیں۔

دوسرے باب "مذہبیات" میں تحقیق وتصنیف سے زیادہ تالیف کا رنگ نمایاں ہے۔ یعنی یہ باب "طبع زاد" کم اور "دوسروں سے مستفاد" زیادہ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دوسرے باب میں "لفظ کملی کی شرعی و ادبی حیثیت" پر ڈاکٹر شکیل اعظمی نے "استفتا" کی شکل میں سوال نامہ مرتب کیا ہے اور بالترتیب مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی، مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی مبارک پوری کے جوابات ہیں۔ ظفر ادیبی کے جواب پر "نقد ونظر" کے عنوان سے ۶ر صفحات پر مشتمل خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا گراں قدر علمی تبصرہ ہے۔ بعد ازاں تبصرے پر مصنف کتاب ڈاکٹر شکیل اعظمی اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کا محاکماتی تبصرہ ہے۔

"تعدیۂ مرض شرعی نقطۂ نظر سے" کے تحت مصنف کا استفتا اور محقق مسائلِ جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی کا تفصیلی جواب ہے، جو ۲۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔

"کتابتِ نسواں" کے عنوان سے بصورت استفتا ڈاکٹر صاحب نے چند سوالات مرتب کیے ہیں اور مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ ومفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی دام ظلہ نے ان کے جواب دیے ہیں۔ کتابتِ نسواں پر ایک اہم ضمیمہ کی شہ سرخی کے ساتھ مولانا بدر القادری مصباحی ہالینڈ اور علامہ سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم کی مفصل ومدلل نگارشات زینتِ کتاب ہیں، جو تقریباً ۵۸ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

القصہ مختصر ۴۹۶ ر صفحات پر مشتمل اس ضخیم کتاب میں تقریباً ۱۵۰ر صفحات دوسروں کی تحریریں ہیں اور ان تحریروں کو مصنف نے اپنی کتاب میں شامل کرلیا ہے۔ دوسروں کے ۱۵۰ر صفحات کتاب میں شامل نہ بھی ہوتے تو بھی کتاب کی ضخامت اور اس کا علمی قد اپنی جگہ برقرار رہتا محض استفتا اور سوال نامہ تیار کردینے سے فتویٰ مستفتی کا نہیں ہوجایا کرتا ہے۔

تیسرا باب "شخصیات" میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ذکر جمیل بڑے خوب صورت پیرائے میں کیا گیا ہے اور وقت کی اس عظیم شخصیت کی جلالتِ علمی کا کھلے دل سے اعتراف کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی تمام تر علمی وادبی سرفرازیوں کو "دعاے حافظِ ملت" کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ "ادبی تبصرے" میں "حضرت علامہ ارشد القادری کی نعتیہ شاعری" پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی علمی وادبی کتابوں پر تبصرے ہیں، پوری تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں، سب کا احاطہ یہاں دشوار ہے۔

کتاب مجموعی حیثیت سے گراں قدر، لائقِ مطالعہ اور معلومات سے لبریز ہے۔ ☆☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

عزیزی کوریرا اینڈ مارگو سروس، بلیلس روڈ 256/B/1 ہوڑہ 1

ریحان سوٹ گھر، دوکان ۲۳، نئی سڑک، حافظ لنگڑے کی مسجد، بنارس (یوپی)

منظومات

نعت شریف

ہر اوج کا سر جھکتا ہے شاہا ترے آگے
کوئی بھی تو لگتا نہیں اونچا ترے آگے
ہے آئینۂ حسنِ ازل تیرا سراپا
پھر کون کرے حسن کا دعویٰ ترے آگے
اللہ رے اے پیارے نبی تیرا تقدس
رگڑے ہے جبیں بلبلِ سدرہ ترے آگے
اے ابرِ کرم، شمعِ حرم، جانِ دوعالم
سکہ نہ چلا اور کسی کا ترے آگے
کیا منصبِ عالی ہے ترا، کس کو پتہ ہے
گردوں کو بھی آتا ہے پسینہ ترے آگے
حسرت ہے دمِ نزع، تو آنکھوں میں بسا ہو
دم ٹوٹے مرا جانِ مسیحا ترے آگے
بس کاسۂ دل رکھ دیا داتا ترے در پر
لب کھولنا اچھا نہیں لگتا ترے آگے
معراج تری ہے مرے ادراک سے باہر
معراج مری خاک میں ملنا ترے آگے
ہوگا نہ کبھی تیرے کرم کو یہ گوارا
ہو نورؔ ترا حشر میں رسوا ترے آگے

............**سید نورالحسن نور فتح پوری**

نماز

اللہ عزّ و جلّ کی قربت نماز ہے
پیغمبروں کی مومنو سنت نماز ہے
رب کی، ملائکہ کی محبت نماز ہے
دونوں جہاں کی قیمتی دولت نماز ہے
روزِ جزا کے واسطے قوّت نماز ہے
محشر کی شان و شوکت و عزت نماز ہے
اللہ کے رسول کا فرمان ہے یہی
دونوں جہاں کے واسطے زینت نماز ہے
اے مومنو سنو ہے یہ قولِ رسولِ پاک
دنیا کی اور دین کی عزت نماز ہے
مومن کے واسطے ہے یہ فرمانِ مصطفیٰ
ہر جسم اور روح کی راحت نماز ہے
تحریر ہے حدیث میں اے مومنو سنو
کرنے کو دور قبر کی وحشت نماز ہے
رب کی رضا کے واسطے شاہیؔ پڑھو نماز
دنیا میں بہترین عبادت نماز ہے

....**اسلام احمد شاہیؔ بھاگل پوری**

دیکھ لے

دیکھ لے خود کو مٹا کر دیکھ لے
تو مجھے اپنا بنا کر دیکھ لے
ہے مرے دیدار کی خواہش اگر
دل کو آئینہ بنا کر دیکھ لے
تیری قسمت منزلِ اوج و کمال
سر کو سجدے میں جھکا کر دیکھ لے
مجھ کو شہ رگ سے قریں پائے گا تو
دل میں میرا ڈر بسا کر دیکھ لے
دوسرا عالم ہے تیرے واسطے
اپنے عالم کو مٹا کر دیکھ لے
تجھ پہ میری نعمتیں ہیں بے شمار
فکر کا پردہ اٹھا کر دیکھ لے
ہے حیاتِ جاوداں تیرا نصیب
راہِ حق میں سر کٹا کر دیکھ لے
مسکرانا بھی ہے صدقہ اے بشر
دشمنوں کو مسکرا کر دیکھ لے
کس طرح آتی ہے رحمت جوش میں
آنکھ سے آنسو بہا کر دیکھ لے
دیکھنی ہو تجھ کو جنت کی بہار
مصطفیٰ کے در پہ جا کر دیکھ لے

..................**مہتاب پیامی**

وفیات

حسان الہند سید آلِ رسول نظمی میاں مارہروی علیہ الرحمۃ

نحمده و نصلي على حبيبه الكريم.

و بعد! امام شعر و سخن، مقتدائے اہل سنت، برہان الواصلین، رازدار رموز طریقت، مفسر قرآن، تاجدار مسند غوثیہ آل احمدیہ، حضور سید ملت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی قدس سرہ السامی کی عبقری شخصیت پہ کچھ قلم فرسائی کرنا مجھ جیسے طالب علم کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ آفتاب نصف النہار کو چراغ دکھانا۔ ہمالہ کو ہمالہ بتانا کمال کی بات نہیں۔ ہمالہ کو کوئی ہمالہ نہ بھی کہے تو اس میں ہمالہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ برادر طریقت حضرت العلام مبارک حسین مصباحی، مدیر اعلی ماہنامہ اشرفیہ نے بذریعۂ فون جب اس احقر راقم السطور کو حکم دیا کہ والد ماجد کے سلسلہ میں ماہنامہ اشرفیہ کے لیے کچھ تاثراتی کلمات قلم بند کروں تو میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا لکھوں اور کیسے لکھوں۔ کیوں کہ ایک قلم کار کے لیے اس وقت بڑے امتحان کی گھڑی آتی ہے جب اس سے ایسی شخصیت کے بارے میں لکھنے کو کہا جائے جس سے خود اس قلم کار کے تہ در تہ رشتہ ہوں۔

بہر حال میں اپنے کرم فرما علامہ مبارک حسین صاحب کی فرمائش پر چند ٹوٹے پھوٹے کلمات سپرد قرطاس اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے سامنے عرب کا یہ مقولہ ہے: "اهل البيت ادرى بما فيه!"

گھر والا ہی گھر کا حال بہتر جانتا ہے۔ ثانیاً ثناخوان مصطفی علی نبینا و علیہ افضل التحیۃ و الثنا کا ایک نعتیہ شعر مجھے یاد آتا ہے:

ما ان مدحت محمدا بمقالتي

بل ان مدحت مقالة بمحمد

حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدم بوسی کر کے ان کی روح مبارک سے اجازت لے کر بطور منقبت والد بزرگ کی خدمت میں یہ چند کلمات میں اس نیت سے عرض کرتا ہوں کہ۔ ایسا نہیں کہ میرے ان بے ترتیب کلمات سے سرکار نظمی کی تعریف کا حق ادا ہو جائے گا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ والد بزرگوار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر سے میری تحریر کو میرا رب عز اسمہ زینت بخش کے اسے میرے حق میں توشۂ آخرت بنا دے گا۔

میرے والد بزرگ کی شخصیت ہمہ جہت زاویوں سے کئی خوبیوں کی حامل تھی۔ ان کی ذات ستودہ صفات پہ کئی تحقیقی مضامین قلم بند ہو سکتے ہیں۔ ان کے متوسلین اس مبارک کام میں لگے ہوئے ہیں اور باذن اللہ الکریم ۴۰ویں عرس سیدی برکاتی کے موقع پر والد گرامی کے قلمی کارناموں پر ایک مستقل مجلّی کی رونمائی کی جائے گی۔ باوجود تمام تر علمی وجاہت جب میں اپنے ابو کی ذات کے بارے میں سوچتا ہوں تو بار بار ان کی ایک ایسی خوبی ہے جو میری نظر میں ان کی ذات کو ان کے معاصر مشائخ میں نمایاں مقام پہ کھڑا کرتی ہے وہ تھا ان کا صبر۔

بچپن سے میں نے اپنے ابو کو زندگی کے اتار چڑھاؤ سے دو چار ہوتے دیکھا۔ ان مصائب میں کچھ کا تعلق ان کی صحت سے تھا اور اکثر کا تعلق ان کی اس بیئت یعنے سماجی ماحول سے تھا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی۔ صحت کے ضعف پر میں نے انہیں ایک خاموش جنگ لڑتے دیکھا اور سماجی معاملات میں ان کو امام علی کا سچا جانشین پایا۔ ہمارے خاندانی ناموں میں لفظ حیدر کا اضافہ کیا جاتا ہے جس کا معنی ہے پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا شیر۔ اور بلا مبالغہ میرے ابو سماجی قدروں کو پامال کرنے والوں کے لیے ایک حملہ آور شیر سے کم نہ تھے۔ ذاتی معاملات میں اگر ان سے کوئی الجھتا تو وہ مجسم صبر کا پیکر نظر آتے۔ وہ بے سہارا افراد کی مدد میں ایک آن یہ نہ سوچتے کہ فلاں کی مدد کرنے میں ان کا نجی کتنا نقصان ہو سکتا ہے۔ ہم بھائی کبھی کسی شری کا ذکر جب سخت الفاظ میں کرتے تو ہمیں یہ کہ کر خاموش کر دیتے کہ بیٹا جانے دو۔ ہم سیدنا امام زید شہید علیہ السلام کی اولاد ہیں اور پھر بلند آواز سے دعا کرتے کے اللہ! میرے دشمنوں کو ظلم کرنے کے لیے مجھ سے بہتر کوئی نصیب نہ ہو!

ماضی قریب میں ابو نے تحریک سنی دعوت اسلامی کے امیر حافظ شاکر قادری برکاتی نوری کو سند خلافت سے نوازا تھا۔ یاران بے وفاء نے اس پر بڑا غوغا کھڑا کیا۔ ابو نے اس پر بے پایاں صبر کا مظاہرہ کیا اور فرمایا کہ سادات کا بغض ان لوگوں کا نصیب بن چکا ہے جس کا حساب انہیں بروز محشر دینا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمات کے وہ معترف تھے اور مریدین میں اکثر اشرفیہ کا ذکر خیر فرماتے تھے۔ فرماتے اشرفیہ میرے والد حضور سید العلماء کی یادگار ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابو نے اس احقر کو حضور شارح بخاری کے سپرد کیا اور میرا ہات حضور مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے ہات میں دیتے وقت فرمایا کہ اس نسبی سید زادہ کو سببی سید بنائیے تا کہ فارغ التحصیل ہونے پر یہ قوم کی راحت کا سبب بنے۔

قارئین ماہنامہ اشرفیہ سے اس فقیر برکاتی کی استدعا ہے کہ مجھ ہیچ مداں کے لیے رب قدیر کے حضور دعا کریں کہ جن متاوارث اخلاق کے میرے اجداد و والد بزرگ حامل و محافظ تھے یہ فقیر ان قدروں کی حفاظت و کامل اشاعت میں کامیاب ثابت ہو۔

يا رب بالمصطفى بلغ مقاصـــــدنا

واغفر لنا ما مضى يا واسع الكرم

و صلى الله تعالى على خير خلقه و نور عرشه سيدنا و مولينا محمد و على آله و صحبه اجمعين. و آخر دعوينا ان الحمد لله رب العالمين. ۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ.

المفتقر الى غفران ربه:

سید سبطین حیدر قادری برکاتی

خادم سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ بارکاتیہ نوریہ امیریہ

بڑی سرکار مارہرہ مطہرہ، ایٹہ

صدائے بازگشت

اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق عطا فرمائے

مدیر محترم ماہ نامہ اشرفیہ   سلام مسنون

نومبر ۲۰۱۳ء کا شمارہ مطالعہ کی میز پر ہے، اداریہ "مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں جامعہ اشرفیہ کا کردار" اشرفیہ پر صلح کلیت کا الزام لگانے والوں کے لیے درس عبرت ہے۔ دراصل ادھر چند برسوں کے اندر جماعت اہل سنت میں غیر سنجیدہ اور مفاد پرست افراد کی ایک ایسی ٹولی وجود میں آئی ہے جن کو علم و تحقیق سے کوئی واسطہ نہیں ہے، نہ ہی ایسے افراد کے یہاں صحیح و غلط کا کوئی معیار ہے، بزعم خویش یہ لوگ جماعت اہل سنت کے "ٹھیکیدار" ہیں، جب جسے چاہیں اہل سنت کی فہرست سے خارج کر کے ان پر صلح کلیت کا لیبل چسپاں کر دیتے ہیں۔ سب سے افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے غیر صالح مقاصد کے حصول کے لیے ایک عبقری شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے نام کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مشن اور ان کے نظریات سے کچھ بھی واقفیت نہیں، نہ ہی جماعتی مفادات اور دین کی صلاح و فلاح سے انہیں کوئی سروکار ہے۔ یہ لوگ صرف عوام کی عقیدت اور ان کے جذبات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے "تحفظ مسلک اعلیٰ حضرت" کے نام پر اپنی جیب گرم کرنا جانتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تو خود کوئی مفید کام کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو کام کرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتے ہیں، فرزندان اشرفیہ نے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں جو بنیادی کردار ادا کیا ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، فرزندان اشرفیہ آج پوری دنیا میں اعلیٰ حضرت کا پیغام اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ عام کر رہے ہیں۔ اپنی علمی و دینی خدمات کی وجہ اشرفیہ ہر زمانے میں سرخرو رہا ہے اور سرخرو رہے گا، اشرفیہ کی مخالفت کرنے والے ہر زمانے میں رسوا ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

حقائق سے چشم پوشی اور صرف جذباتی نعروں نے جماعت کو بہت نقصان پہنچایا ہے، اہل سنت کا شیرازہ منتشر ہوتا جا رہا ہے، آپسی اتحاد و اتفاق کی فضائیں مسموم ہوتی جا رہی ہیں، خدارا اپنے ذاتی مفادات کے لیے جماعت کو خسارے میں نہ ڈالیں، یاد رکھیں جماعتی مسائل اور آپسی اختلافات کو کانفرنسوں کے اسٹیج سے حل نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی پیشہ ور خطبا جذباتی تقریروں سے جماعت کا کوئی بھلا کر سکتے ہیں اس کے لیے سنجیدگی سے غور و فکر اور مخلصانہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، اوریا

بابری مسجد کی شہادت میں ملوث شر پسند تنظیموں پر پابندی لگائی جائے۔ (تنظیم ابنائے اشرفیہ)

مکرمی.............. سلام مسنون

۱۵ اگست ۱۹۴۷ / ہندوستان کی آزادی کے بعد سے مسلسل "قوم مسلم" کی اکثریت "افتاد زمانہ" کی مار جھیلتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کی شکار ہوئی اور اپنی جان و مال کی تباہی و بربادی کے قصے تاریخ میں رقم کی۔ تعمیر شدہ سیکڑوں بلند و بالا مدارس، مقابر اور بہت سی مساجد اور اوقاف کو اپنی نگاہوں کے سامنے حکومت ہند کی سرپرستی میں "شرپسندوں" کے ناپاک ہاتھوں ویران اور برباد ہوتے ہوئے دردناک منظر کا مشاہدہ کیا۔ آج بھی ان کے ہاتھوں سے تعمیر ہوئیں سیکڑوں یادگاریں ان کی بے توجہی اور غیروں کے ظلم و ستم کا مرثیہ خوانی کرتی ہوئیں اپنی ستم رسیدہ حالت زار پر ماتم کناں ہیں۔

ایسی ہی آشفتہ حال ایک تاریخی مسجد "بابری مسجد" بھی تھی جسے ہندوستان کے فرمان رواں شہنشاہ بابر کے ہاتھوں ۹۳۵ھ میں تعمیر کیا گیا لیکن ۵۰۰ سو سالہ ہندو مسلم باہمی اتحاد و یکجہتی کی اس نشانی کو سیاسی پنڈتوں اور ہندوؤں کی "نظر بد" لگ گئی اور ۱۹۴۹ء میں فساد کے حامی "ہندوؤں کے علمبردار" لوگوں کے ذریعے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اس میں مورتیاں رکھ دی گئیں اور شرپسند عناصر کی جانب سے ایک انگریز تاریخ دان کی فرضی تاریخ کی روشنی میں "بابری مسجد" کی جگہ رام جنم بھومی کا غلط پروپیگنڈہ کیا گیا اور مسلسل شرانگیزی کر کے بالآخر ۶ / دسمبر ۱۹۹۲ میں آر ایس ایس کی ذیلی تنظیمیں وی ایچ پی اور بجرنگ دل وغیرہ کے ہزاروں سادھو سنتوں کے ہاتھوں سے بابری مسجد شہید کر دی گئی۔

راقم الحروف محمد عارف حسین مصباحی، مولانا قاسم علوی سرپرست تنظیم ابنائے اشرفیہ اور جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے رکن مجلس شوریٰ الحاج شاکر علی عزیزی و تمام اراکین و محبین کی جانب سے بابری مسجد کی شہادت کی اکیسویں برسی کے موقع پر ہم حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ "تلافی مافات" کے لئے ملک کی سب سے بڑی اقلیت "قوم مسلم" کے مسائل کو حل کرنے میں سنجیدہ دلچسپی لے پارلیمنٹ میں "بابری مسجد ایکٹ" پاس کر کے بابری مسجد کو اس کی سابقہ جگہ پر تعمیر یقینی بنائے اور جلد از جلد پارلیمنٹ میں فرقہ وارانہ تشدد بل پاس کر کے تمام خاطئین اور مجرمین کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔

محمد عارف حسین مصباحی کنوینر: تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ

خیر و خبر

۷۸۹واں عرس فاتح بلگرام

بلگرام شریف ضلع ہردوئی میں امام حضور سید محمد دعوۃ الصغریٰ مرید و خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ۷۸۹واں عرس ۲۵/۲۶/ اکتوبر کو بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ صاحبِ سجادہ سید اویس مصطفیٰ صغروی زیدی الواسطی اور آپ کے برادرِ اکبر سید بادشاہ حسین واسطی و سید فیضان مصطفیٰ واسطی نے عرس کی بڑے پیمانے پر تیاریاں کی تھیں۔ سید حسین میاں واحد صاحبِ سجادہ خانقاہ واحدیہ بلگرام شریف، سید غلام رسول غضنفر میاں صاحب سجادہ سرائے شریف اعظم گڑھ، مہمانِ خصوصی تھے۔

عرس کی تقریب ۲۵/ نومبر بروز جمعہ بعد نمازِ فجر قرآن خوانی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قل شریف سے شروع ہوئی، اسی دن بعد نمازِ مغرب صاحب العرفان سید محمد قادری کا قل شریف ہوا۔ بعد نمازِ عشا فاتحِ بلگرام کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس کا اختتام بعد نمازِ فجر صلاۃ و سلام کے ساتھ ہوا۔

۲۶/ نومبر بروز ہفتہ بعد نمازِ فجر قرآن خوانی اور حلقۂ ذکر کی محفل سجائی گئی، پھر حضرت خواجہ عماد الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قل شریف ہوا۔ اس کے بعد سید محمد دعوۃ الصغریٰ قدس سرہ کے مزار پر چادر پوشی کے لیے جلوس آستانۂ عالیہ پر پہنچا، مزار اقدس کو غسل دیا گیا پھر چادر پوشی کی گئی، اس کے بعد فاتح بلگرام کانفرنس کا آغاز کیا گیا۔ نمازِ ظہر سے پہلے فاتحِ بلگرام کانفرنس کا اختتام صلاۃ و سلام کے ساتھ ہوا۔ اس موقع پر حضرت سید اویس مصطفیٰ صغروی واسطی نے حضرت عیسیٰ بابا ماہم شریف، ممبئی، مولانا رضوان احمد شریفی اور حضرت محب الحق نوری کو خلافت و اجازت سے نوازا۔

صاحبِ سجادہ سید اویس مصطفیٰ صغروی واسطی نے قل شریف پڑھا، ملک و ملت کے لیے دعائیں کیں، آپ کے برادرِ اکبر سید بادشاہ حسین صغروی واسطی نے آئے ہوئے زائرین کا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں۔ عرس کی تقریبات میں قرآن مقدس کی تلاوت قاری نبی حسن فرخ آبادی نے اور نظامت مولانا عبد الکریم اویسی مصباحی و شہیر رضوی خالدی نے کی۔

دوروزہ فاتحِ بلگرام کانفرنس میں شرکت کرنے والے علمائے کرام اور شعرائے عظام کی تعداد کثیر تھی۔

از: محمد مظہر مصطفیٰ حسن اویسی، دار العلوم الدعوۃ الصغریٰ، بلگرام شریف

کوشامبی میں گنبدِ خضرا کانفرنس

قصبہ کراری ضلع کوشامبی (الہ آباد) میں مسلم نوجوان کمیٹی کے زیرِ اہتمام ۵۰/ واں سالانہ (گولڈن جبلی) دو روزہ تاریخی گنبدِ خضرا کانفرنس یکم و ۲ نومبر کو منعقد کی گئی، جس کی سرپرستی شیخ احسان اللہ چشتی قادری سجادہ نشیں خانقاہ عارفیہ سید سراواں کوشامبی، صدارت مولانا محمد عرفان عارفی پرنسپل جامعہ عارفیہ و نظامت مولانا آصف رضا سیفی پرتاپ گڑھی نے کی۔ کانفرنس کا آغاز قاری محمد ذاکر کی تلاوتِ قرآن عظیم سے ہوا۔

اس موقع پر عظیم دانش گاہ جامعہ اشرفیہ کے استاذ حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی نے اپنے خطاب میں کہا کہ آج یورپ کے لوگ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متعدّد شادیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے نکاح کیا، وہ نہایت کم عمر تھیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عیش پسند تھے، معاذ اللہ۔ مگر یورپ والوں کو معلوم نہیں کہ جس وقت آپ کی عمر ۲۵/ سال تھی تو آپ نے ۴۰/ سالہ بیوہ حضرت خدیجہ سے نکاح فرمایا۔ اگر آپ عیش پسند ہوتے تو اس عمر میں ضرور کسی کم عمر کنواری سے نکاح کرتے، اس عمر میں ۴۰/ سالہ بیوہ سے نکاح کرنا اس بات کی علامت ہے اور دلیل ہے کہ آپ عیش پسند قطعی نہیں تھے، بات در اصل یہ ہے کہ آپ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا تھا، ۴۰/ سالہ خاتون سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ وہ مال دار خاتون تھیں، اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اس وقت انھی جیسی مال دار خاتون کی ضرورت تھی۔ اور آپ نے عمر کے آخری پڑاؤ میں حضرت عائشہ جیسی کم عمر کنواری سے نکاح کرنے میں حکمت یہ تھی کہ وہ نہایت ذہین خاتون تھیں، ان کا حافظہ نہایت مضبوط تھا، اس وقت ایسی ہی خاتون کی ضرورت تھی تاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمانوں کے دینی و شرعی مسائل سلجھا سکیں۔

ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے چیف ایڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی نے مجاہدِ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے کارناموں پر روشنی ڈالی مفتی محمد عمران حنفی مراد آبادی نے اسلام اور سائنس کے عنوان پر پُرمغز خطاب کیا۔ مولانا جہانگیر بھاگل پوری نے گنبدِ خضرا کانفرنس کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ مولانا احمد حبیب اللہ آبادی نے مسلم معاشرے میں پھیلی برائیوں کی نشان دہی کی اور ان کو دور کرنے کی اپیل کی۔ مولانا محمد عمران عارفی ثقافی نے صدارتی خطبہ بھی دیا۔

از: محمد عمران، جنرل سکریٹری مسلم نوجوان کمیٹی، کراری، کوشامبی

عرس چہلم حضرت مفتیِ اعظم راجستھان

۱۲؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۷؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار صبح ۸؍ بجے مرکزی دارالعلوم اسحاقیہ و شاہجہائے دارالعلوم کے اساتذئہ کرام کی جانب سے نعت و منقبت کے ساتھ حضور مفتی اعظم راجستھان کے مزار پُر انوار پر چادر پوشی و گل پاشی کی گئی جس میں کثیر تعداد میں عوام و خواص شریک ہوئے ۔ آپ کے مزار اقدس پر صبح ۸؍ بجے سے دس بجے تک قرآن خوانی ہوئی عرس چہلم کے موقع پر پروگرام کا آغاز مولانا محمد آفتاب عالم اشرفی کی تلاوت سے ہوا، جبکہ دارالعلوم اسحاقیہ کے فاضل مولانا نوشاد عالم رضوی اشفاقی نے نعت و منقبت اس طرح پیش فرمائی کہ نعرۂ تکبیر و رسالت اور مفتی اعظم راجستھان زندہ باد سے پورا پنڈال گونج اٹھا پھر ایک مشہور نعت وخواں شریف باسنوی نے امنقبت پیش کی۔

قاری ظہیر الدین نے ترنم میں نعت پیش کی اکابر علماے اہل سنت وعلماے ذوی الاحترام کے خطابات اور تاثرات کا سلسلہ شروع ہوا سب سے پہلے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے استاذو مفتی مولانا بدر عالم نے علم و تصوف کا تجزیہ فرماتے ہوئے بتایا کہ جو عالم ہے وہ صوفی بھی ہے تصوف علم دین سے الگ نہیں ! دارالعلوم فیض اکبری لونی شریف کے شیخ الحدیث مولانا شعیب عالم اکبری نے حضور مفتی اعظم راجستھان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں خراج عقیدت پیش کیا ! یکے بعد دیگرے ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی علی گڈھ وڈاکٹر حفیظ الرحمن ریسرچ اسکالر جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی نے اپنے مشترکہ تاثرات میں یہ فرمایا کہ جس طرح حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی خاموش اور مسلسل علم دوستی کے ذریعہ مدرسہ مصباح العلوم کو جامعہ اشرفیہ بنایا اسی طرح حضور مفتی اعظم راجستھان نے راجستھان کے سنگلاخ اور خشک صحرامیں علمی قلموں کے شاداب پودے لگاکر سرزمین راجستھان کو علم کا نخلستان بنادیا

ڈاکٹر نوشاد نے یہ بھی فرمایا کہ مفتی اعظم راجستھان کی یہ خوبی رہی کہ راجستھان میں کسی بھی طرح کا مشربی اختلاف نہ ہونے دیا اور یہ خوبی پورے ہندوستان میں صرف اور صرف حضور مفتی اعظم راجستھان کی ذات والاصفات کو حاصل رہی جس کو ذمہ داران اسٹیج نے خوب سرہا۔

حضرت نثار احمد امروہی اور مولانا مفتی زاہد سلامی مبارکپور نے بڑے اختصار کے ساتھ بابائے قوم وملت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

مولانا عبدالستار ہمدانی نے فرمایا کہ میں اپنی پوری زندگی میں دو شخصیتوں سے متاثر ہوا کہ جن کے قدم مبارک کو میں نے چوما ایک میرے پیرو مرشد حضرت علاّمہ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ و الرضوان اور دوسری ذات حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ۔

فاضل اسحاقیہ چیرمین مدرسہ بورڈ مولانا فضل حق کوٹوی نے اپنے استاذ مکرّم کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے راجستھان کے وزیراعلیٰ اشوک گہلوت ، شہزادۂ مفتی اعظم راجستھان حضرحاجی محمد معین الدین اشرفی سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسحاقیہ کے نام پڑھ کرسنایا۔

سید مدنی بابا موربی گجرات نے بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے مفتی اعظم راجستھان کی ابتدائی حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے تاثرات پیش فرمائے ۔شہزادۂ غازی ملت مولانا سید نورانی میاں نے حضور مفتی اعظم راجستھان کی بارگاہ میں ترنم کے ساتھ ایک ایسی منقبت پیش فرمائی کہ جس میں حضور مفتی اعظم راجستھان کے استاد پیر و مرشد حضرت علامہ اجمل شاہ علیہ الرحمہ صدر الفاضل علامہ سید مفتی نعیم الدین مراد آبادی ، مفتی اعظم ہند محدث اعظم ہنداور سید مخدوم اشرف کچھوچھوی کے مبارک تذکروں کے ساتھ مفتی اعظم راجستھان کی دینی خدمات جلیلہ کو ایک اچھوتے انداز میں سراہا۔

مصلح قوم وملت مولانا یٰسین اختر مصباحی موسس دارالقلم دہلی نے ایک اچھوتے ادبی و فکری انداز میں بارگاہ اشفاق العلماء میں خراج تحسین فرمایا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ڈین ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے مفتی اعظم راجستھان کے قریہ شیونالی ضلع مرادآباد سے بچپن ، جوانی ، تعلیمی سفراور راجستھان میں خواجہ کے سچے سپاہی بنکر مشن غریب نواز کو مدارس ودینی ادارے قایم فرمائے ، محترم موصوف نے پورا نقشہ کھینچا اور منظوم شکل میں خراج عقیدت پیش کیا

اسی مبارک موقع پر ہزاروں کے مجمع میں نیز سیکڑوں علماے کرام و سادات عظام و مشائخ ذوی الاحترام وائمہ اہل سنت کی موجودگی میں حضرت مفتی شیر محمد خان شیر راجستھان مجلس عاملہ کمیٹی کی جانب سے جانشین مفتی اعظم راجستھان بنایا گیا اور جبّہ و عمامہ عزیز ملت سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور علاّمہ عبدالحفیظ صاحب کے مبارک ہاتھوں سے پیش کیا گیا۔ اور حضرت کے صاحبزادہ الحاج محمد معین الدین اشرفی کو دارالعلوم اسحاقیہ و شاہجہائے دارالعلوم کا سربراہ اعلیٰ اور آستانۂ عالیہ اشفاقیہ کا سجّادہ نشین منتخب کیا گیا اور ان کے سر پر سید باپو غلام حسین جیلانی کے دست مبارک سے عمامہ بندھوایا گیا۔

آخر میں شہنشاہ خطابت مولانا عبید اللہ خان اعظمی سابق ایم پی کی ولولہ انگیز تقریر ہوئی موصوف نے اپنے بیان میں فرمایا کہ مفتی اعظم راجستھان نے ریت کے ٹیلوں پر علم کے قلعے تعمیر فرمائے اور راجستھان کو علم کا نخلستان بنادیا وبعد خطاب صلوٰۃ و سلام اور حضور عزیز ملت کی دعائوں پر اس عرس چہلم کا عظیم الشان اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

عرس چہلم کی نظامت و نقابت حضرت مولانا محمد فیاض احمد رضوی استاد دارالعلوم اسحاقیہ و مدیر ماہنامہ ماہ طیبہ جودھپور و حافظ محمد مسیح الزماں قادری مدرس جامعہ اسحاقیہ نے کی۔

از مجلس عاملہ کمیٹی، دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور (راج)